عنوان	صفحہ
کتاب الصید والذبائح والاضحیۃ والعقیقہ والختان	۱

عنوان	صفحہ
خصی دنبے کی قربانی کا حکم	۱۹۰
قربانی کے جانور کو پہلے سے خرید کر موٹا تازہ کرنا مستحب ہے	۱۹۰
عقیقہ ساتویں دن کرنا مستحب ہے	۱۹۰
گائے کا ذبحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے	۱۹۱
قربانی کی کھال خیرات نہ کر کے مٹی میں دفن کرنے کا حکم	۲۰۰
اہل کتاب کے ذبحہ کا حکم اور حکمت جواز	۲۰۰
سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم اور اس کی تحقیق	۲۰۲
ذابح کی مدد کرنے والا اگر کافر ہو تو ذبحہ حلال ہے	۲۰۴
قربانی کے جانور کی کھال اور اسکے گوشت کا حکم	۲۰۵
عقیقہ کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کا حکم	۲۰۶
سینگ ٹوٹی ہوئی گائے کی قربانی کا حکم	۲۰۸
ذابح کی اعانت کا معنی	۲۱۳
ذابح نے غلط تلفظ کے ساتھ بسم اللہ، اللہ اکبر کہا تو ذبحہ درست ہے یا نہیں؟	۲۱۴
بعد فوت اضحیہ کے ذبح کافی نہیں بلکہ تصدق بھی واجب ہے	۲۱۴
مالک تالاب کا لوگوں کو مچھلیاں شکار کرنے سے روکنے کا حکم	۲۱۵
گونگے آدمی کے ذبحہ کا حکم	۲۱۶
قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم	۲۱۶
جو جانور قربانی کے واسطے متعین کر دیا ہو اس کا گوشت کھانے کا حکم اور اس صورت میں نذر ہونے کا اشکال اور اس کا جواب	۲۱۷
مرغی یا کسی بڑے جانور کا سر بندوق یا ریل وغیرہ سے کٹ جائے اور محل ذبح باقی ہو اور جانور میں آثار حیات بھی ہوں تو اس کو ذبح کر کے کھانا حلال ہے یا نہیں؟	۲۲۵
عقیقہ کے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ ایک ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟	۲۲۸
تخفیف ایذا کیلئے جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کرنا	۲۲۸

عنوان	صفحہ
قربانی کی نیت سے بکری چھوڑ رکھی تھی وہ حاملہ ہو گئی تو اس کی قربانی میں کوئی قباحت نہیں..........	۲۳۰
دوسرے کی طرف سے بغیر اجازت قربانی کرنے کا حکم..........	۲۳۱
میت کی طرف سے قربانی کرنے کا طریقہ..........	۲۳۳
عقیقہ میں بکروں کی بجائے گائیں میں حصہ لے لینے سے سنت عقیقہ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟..........	۲۳۳
عقیقہ سے متعلق چند سوالات..........	۲۳۴
میت کی طرف سے قربانی کرنا..........	۲۳۶
امنية الهالك فی اضحية مالك..........	۲۳۶
ذبح کرنے کے بعد جان نکلنے سے پہلے جانور کی چھاتی کھولنا مکروہ ہے..........	۲۴۷
ایسا شکار ذبح کرنے کا حکم جس کے گلے کا اکثر حصہ باقی نہ رہا ہو..........	۲۴۸
کسی ایک شریک قربانی کا اپنے حصہ کی زیادتی کی زیادہ قیمت دینے کا حکم..........	۲۴۹
مسجد یا رباط میں چرم قربانی کی قیمت صرف کرنے کا حکم..........	۲۴۹
قربانی کے جانور کے کسی عضو میں زخم ہو کر کیڑے پڑ جائیں تو اس جانور کو قربانی میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟..	۲۵۰
قبضہ کے بعد چرم قربانی کی قیمت مدرسہ کی تعمیر میں صرف کرنے کا حکم..........	۲۵۱
گابھن اور شیر دار گائے کی قربانی جائز ہے..........	۲۵۲
مذبوح فوق العقدہ حلال ہے یا نہیں ؟..........	۲۵۲
ختنہ کرنے سے اگر حشفہ کی کھال پوری نہ اترے تو دوبارہ ختنہ ضروری ہے یا نہیں ؟..........	۲۵۳
صبی مجنون کا ختنہ سنت ہے یا نہیں ؟..........	۲۵۴
قربانی میں ایک حصہ تمام امت محمدیہ کی طرف سے کرنے کا حکم اور شرکت اضحیہ کے چند احکام.....	۲۵۵
چرم اضحیہ کی قیمت میں تملیک فقراء ضروری ہے یا نہیں ؟..........	۲۵۶
مکہ میں یوم النحر ہندوستان سے ایک دن پہلے ہوا تو ہندوستان میں بارہ تاریخ کی قربانیاں صحیح ہوئیں یا کہ نہیں ؟.	۲۵۹
قربانی کی کھال ذبح کی اجرت میں دیدی اور اس کی واپسی ضروری ہے یا شرکاء کو اطلاع دینا کافی ہے کہ وہ اس کی تصدیق کریں ؟..........	۲۶۳
اماطة الستور عن حكم اطارة الطيور، کیا شکار پر قبضہ یدی ملک کیلئے کافی ہے یا تملیک بھی شرط ہے ؟..........	۲۶۵
گائے کا عقیقہ جائز ہے یا نہیں ؟..........	۲۶۶

عنوان	صفحہ
کیا وقت اضحیہ گزر جانے کے بعد آئندہ سال قربانی کرنے سے سال گزشتہ کی قربانی ادا ہوگی ؟........	۲۶۶
کیا حرم میں اضحیہ کا بھی اور عبادتوں کی طرح ثواب مضاعف ہے ؟................................	۲۶۷
قربانی کی کھال فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟................................	۲۶۸
حکم ذبیحہ اہل کتاب................................	۲۷۰
خنثی جانور کی قربانی جائز نہیں................................	۲۷۰
ثمن جلد اضحیہ کا بعینہ تصدق واجب ہے یا دوسری رقم بھی اس کے بدلے میں دی جاسکتی ہے ؟........	۲۷۱
کسر عظام در عقیقہ اور دایہ کو ران دینے کا حکم................................	۲۷۲
اگر چودہ آدمی دو گایوں میں بلا تعین کے شریک ہوں تو ان کی قربانی درست ہوگی یا نہیں ؟........	۲۷۳
قربانی ترک ہونے کی صورت میں بکری کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے یا گائے کے ساتویں حصہ کی قیمت دینا؟................................	۲۷۳
ذبح فوق العقدہ میں موضع ذبح کے چار چیزوں میں سے تین کٹ جائیں تو ذبیحہ حلال ہے ورنہ حرام....	۲۷۴
غیر مسلم کی بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور کو اگر مسلمان ذبح کردے تو وہ حلال ہے یا نہیں ؟......	۲۷۵
بدون اذن واطلاع کے شوہر نے بیوی کی طرف سے قربانی کی تو بیوی اور سب شرکاء کی قربانی ہوگی یا نہیں ؟................................	۲۷۶
کیا گابھن گائے وغیرہ کی قربانی جائز ہے ؟................................	۲۷۸
کیا پورے دنوں کی گابھن گائے وغیرہ کی قربانی جائز ہے................................	۲۷۹
چرم قربانی اور گوشت اجرت میں دینا................................	۲۸۰
اس جانور کی قربانی جائز نہیں جس کے دانت پیدا ہی نہ ہوئے ہوں................................	۲۸۱
اختلاف جہات در اضحیہ و عقیقہ................................	۲۸۲
ایضاً اختلاف جہات در اضحیہ و عقیقہ................................	۲۸۴
مسئلہ ذبح................................	۲۸۴
کتاب الحظر و الا باحة	
باب الرّشوة و الهدايا و الضيافات	
طلباء کے والدین کا استاد کو ہدیہ دینا اور اسکی مختلف صورتوں کا حکم................................	۲۸۷

کتاب الصید و الذبائح و الاضحیة و العقیقة و الختان

خصی دنبے کی قربانی کا حکم

السؤال : اگر کسی دنبہ کا ایک خصیہ نکلا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

خصی دنبہ کی قربانی جائز ہے اور بظاہر ایک خصیہ نکل جانے کے بعد بھی وہ مثل خصی کے ہو جاوے گا کہ شہوت باقی نہ رہے گی، لہذا یہ بھی حکماً خصی کے مثل ہے، قربانی میں کچھ حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے جانور کو پہلے سے خرید کر موٹا تازہ کرنا مستحب ہے۔

السؤال : قربانی کا جانور اگر قربانی کی نیت سے ایک ماہ پہلے خرید لیا ہو تو کیا دسویں ذی الحجہ کو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

قربانی کا جانور پہلے سے خریدنا اور اس کو موٹا تازہ کرنا مستحب ہے۔ چاہے ایک ماہ پہلے یا زیادہ بہرحال قربانی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ ساتویں دن کرنا مستحب ہے

السؤال : عقیقہ میں رعایت سات۷ دن یا چودہ۱۴ یا اکیس۲۱ دن وغیرہ نہ کرکے جب جی چاہے تو عقیقہ کروں تو عقیقہ ہوگا یا نہ۔ حدیث دفقہ میں جو سات دن وغیرہ کی تصریح ہے یہ اس وقت کے واسطے ہے یا نفسِ جواز کے واسطے بیان کی گئی ہے بادلیل مع حوالہ کتاب معتبرہ تحریر فرما دیں۔

الجواب

سات کے عدد کی رعایت محض افضل ہے ورنہ عقیقہ بہرصورت ادا ہو جائے گا۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فی احکام العقیقۃ ج ۲ ص۲۱۲ ، ص۲۱۳
ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع أو أخّره جاز إلا أن یوم السابع افضل (إلی أن قال) ووقتها بعد تمام الولادة إلی البلوغ فلا یجزی قبلها وذبحها فی الیوم السابع یسن والاولی فعلها صدر النهار عند طلوع الشمس بعد وقت الکراهۃ للتبرّک بالبکور ولیس من السبعۃ یوم الولادة خلافًا للشیخین ولو ولد لیلاً حسبت الذبیحۃ من الصبیحۃ ویسن أن یعق نفسہ من بلغ ولم یعق عنہ اھ

اس سے معلوم ہوا کہ سات کے عدد کی رعایت کرنا صرف مسنون ہے ورنہ ادائے عقیقہ میں بغیر اس کے بھی خلل نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہٗ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ / صفر ۱۳۴۰ھ

گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے۔

السؤال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ گائے ہندوستان میں اسلامی شعار ہے یا نہیں جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ہشتاد و یکم جلد اول ص۸۶ میں تحریر فرمایا ہے: "ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعار اسلام است"

ع۲ اور اگر کسی جگہ ہندو مسلمانوں کو اس سے روکنے لگیں مگر مسلمان اس کے ذبح پر قادر بھی ہوں تو مسلمانوں کے لئے اس وقت کیا حکم ہے ؟

ع۳ اور ایسے وقت میں جو مسلمان بکری وغیرہ کی قربانی چھوڑ کر اکثر صرف گائے ہی کی ذبح کو اختیار کریں یا روزمرہ بجائے بکری کے گائے کا گوشت کھایا کریں تو وہ مسلمان ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب

ع۱ ذبیحۂ گائے ہندوستان میں یقیناً اسلامی شعار ہے ، چند وجوہ سے :

ع۱ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے گائے کی ہندو بہت عظمت کرتے اور اس کو اپنا دیوتا سمجھتے تھے ، جیسا کہ اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے ۔ اس مشرکانہ اعتقاد کے ساتھ جب تک ہندوؤں کی سلطنت ہندوستان میں رہی کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ یہاں کوئی شخص گائے کو ذبح کرسکے ۔ مسلمانوں نے ہندوستان کی سلطنت جب اپنے

میں لی تو جیسا کہ انہوں نے دیگر عقائدِ شرک کو پامال کیا اسی طرح گائے کی اس عظمت کو بھی پامال کیا اور اس کو ذبح کر کے اس کا دیوتا نہ ہونا اور محض عاجز ولاچار ہونا ظاہر کر دیا۔ پس ذبیحۂ گائے چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے شروع ہوا اور اس کا ذبح ہونا اسلامی اثر کا نتیجہ تھا اس لئے یہ ذبیحہ اسلامی شعار ہے۔

۲ کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بالاتفاق شعارِ اسلام ہے لیکن ہندو کسی خوف یا تقیہ کی وجہ سے اس کلمہ کو زبان سے کہہ سکتے ہیں چنانچہ اس وقت ہندو و مسلم کی اتحاد کی گرما گرمی میں سُنا گیا ہے کہ بعض ہندوؤں نے اللہ اکبر اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے نعرے لگائے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ہندو ہی سمجھتے ہیں مسلمان نہیں سمجھتے لیکن گائے کا ذبح کرنا یا اس کا گوشت اعلانیہ طور پر کھانا یہ کوئی ہندو اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے کو مسلمان ظاہر نہ کر دے۔ یہ صاف اس بات کی علامت ہے کہ ذبیحۂ گائے اور اس کا گوشت کھانا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہوتا ہے تو اہلِ اسلام اس کو پہلے گائے کا گوشت کھلاتے ہیں۔ اگر اس نے اس سے نفرت نہ کی تو اس وقت اس کے سچے مسلمان ہونے کا یقین ہو جاتا۔

۳ کفار سے جزیہ یقیناً اسلام کی بڑی علامت ہے لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے زمانہ میں ہندو جزیہ دینے کی ذلت کو گوارہ کرتے تھے مگر گائے کے ذبح ہونے کو گوارہ نہ کرتے تھے بلکہ اس پر ہمیشہ کشت وخون کی نوبت آتی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی بہت سی قیمتی جانوں کا خون کر کے ذبیحہ گائے کو بھی ہندوستان میں جاری کیا۔ پس ذبیحۂ گائے ہندوستان میں غلبۂ اسلام کی اتنی بڑی علامت ہے کہ جزیہ لینا بھی علامت میں اس سے کم تر ہے۔ اس لئے اس میں کچھ شک نہیں کہ ذبیحہ و قربانی گائے ہندوستان میں اسلام کا بہت بڑا شعار ہے۔

۴ قرآن شریف میں حق تعالے شانہ کا ارشاد ہے :

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۔	اور بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے خداوندی شعار بنایا ہے ۔

بُدن جمع ہے بُدنۃ کی، جس کا اطلاق لغۃً اونٹ اور گائے پر ہوتا ہے قال فی القاموس

والبدنة محركة من الابل والبقر كالاضحية من الغنم تهدى الى مكة للذكر والانثیٰ اھ ج ۲-ص ۸۶۳

پس جس طرح اونٹ کی قربانی شعار اسلام ہے، اسی طرح گائے کی قربانی بھی شعار اسلام ہے[۱]

۵ - صحیح بخاری میں ہے :

عن انس قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلك المسلم الذی له ذمة اللّٰہ ورسوله فلا تخفروا اللّٰہ فی ذمته - رواه البخاری (مشکوٰۃ)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس یہی وہ مسلمان ہے جس کے لئے خدا اور مسلمانوں کی پناہ ہے، پس خدا تعالیٰ کی پناہ کو مت توڑو۔

اس حدیث میں جس طرح نماز اور استقبالِ قبلہ کو آپ نے شعارِ اسلام فرمایا ہے، اسی طرح اسلامی ذبیحہ کھانے کو بھی شعارِ اسلام میں داخل فرمایا ہے۔ اور اسلامی ذبیحہ وہی ہوگا جو ذبیحۂ کفار سے پوری طرح ممتاز ہو اور ایسا ذبیحہ گائے کے سوا ہندوستان میں کوئی نہیں۔ کیونکہ اس کے ذبح اور تناول پر کوئی ہندو کبھی پیش قدمی نہیں کرتا۔ پس ہندوستان میں گائے کا ذبیحہ اور اس کا گوشت کھانا بہت بڑا اسلامی شعار ہے۔

جواب سوال دوم

جب یہ ثابت ہوگیا کہ گائے کا ذبیحہ اسلامی شعار ہے تو اگر ہندو اس سے روکنے لگیں خواہ جبراً یا کسی تدبیر کے ساتھ مثلاً خوشامد اور چاپلوسی کرکے اس وقت مسلمانوں پر بقدرِ استطاعت اس شعارِ اسلامی کے بقاء میں کوشش کرنا واجب ہے اور ایسی حالت میں جو کوئی ہندوستان کا ساتھ دے گا اس کے ایمان کا اندیشہ ہے جس طرح ہندوؤں کے جبر یا خوشامد سے اذان کا چھوڑنا یا کم کرنا جائز نہیں اسی طرح ان کی خوشامد یا جبر سے

---

[۱] اور گو اس آیت کا حج کے متعلق ہونا محتمل ہے لیکن اول تو الفاظ عام پھر دوسرے جو لوگ اس کے شعار ہونے کے نافی ہیں بعض احوال میں شعائر ہونا بھی ان کے قول کی نفی کے لئے کافی ہے اور وجوہ بالا میں جو ہر حال میں شعار ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ باعتبار حالت خاصۂ ہند کو ہے، فلا تعارض۔

ذبیحۂ گائے بند کرنا یا کم کرنا جائز نہیں بقدرِ استطاعت اس کا جاری رکھنا لازم ہے۔

جواب سوال سوئم

قربانی میں سب سے افضل اونٹ پھر بکری ہے۔

الھدی ادناہ شاۃ لما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الھدی فقال ادناہ شاۃ وھو من ثلاثۃ انواع الابل والبقر والغنم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لما جعل الشاۃ ادنی فلابد أن یکون لہ أعلی وھو البقر والجزور اھ

اس میں صاف تصریح ہے کہ گائے کی قربانی بکری کی قربانی سے اعلی ہے اور بکری کی قربانی ادنی ہے۔ فتح القدیر میں بھی اس کی تصریح ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فمذھب الشافعی وابی حنیفۃ والجمھور ان الابل افضل ثم البقر ثم الغنم اھ

یعنی امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور جمہور علماء امت کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ (کی قربانی) افضل ہے، اس کے بعد گائے (کی) اس کے بعد بکری (کی) اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ لغتِ عربی میں غنم بکری اور بھیڑ اور دُنبہ سب کو عام ہے۔

فی القاموس: الغنم محرکۃ الشاء لاواحد لھا من لفظھا والواحدۃ شاۃ اھ

وفیہ ایضًا الشاۃ الواحدۃ من الغنم للذکر والانثیٰ وتکون من الضأن والمعز اھ

پس حدیث وفقہ کی تصریح کے موافق گائے کی قربانی بکری اور دنبہ اور بھیڑ سب سے افضل ہے۔ بعض لوگوں نے ترمذی کی حدیث خیر الاضحیۃ الکبش سے یہ استدلال کیا ہے کہ دنبہ کی قربانی گائے کی قربانی سے بہتر ہے، مگر وہ حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ بہتر اضحیہ دنبہ ہے اور اضحیہ کے معنی ان لوگوں نے مطلق قربانی کے سمجھے ہیں جس سے حاصل یہ ہے کہ بہترین قربانی دنبہ کی قربانی ہے۔ حالانکہ لفظ اضحیہ لغت میں جنسِ شاۃ کے لئے مخصوص ہے چنانچہ قاموس کی ایک عبارت تو اوپر گذر چکی ہے۔

والبدنۃ محرکۃ من الابل والبقر کالاضحیۃ من الغنم اھ

اور دوسری جگہ قاموس میں ہے:

والاضحیۃ شاۃ یضحی بھا ج اضاحیّ کالضحیۃ جمع ضحایا اھ

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اضحیہ خاص قربانی شاۃ کو کہتے ہیں۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ بکری، بھیڑ اور دُنبہ کی قربانی اوروں سے بہتر ہے سو اس کا کسی کو بھی انکار نہیں۔ مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ وہ گائے سے بھی افضل ہے۔ چنانچہ فقہاء کے کلام سے بھی حدیث کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے۔

شامی میں ہے: قال فی البدائع: افضل الشاۃ ان یکون کبشاً املح اقرن موجوًا والاقرن العظیم القرن والاملح الابیض۔ اھ

یعنی بکریوں میں افضل قربانی یہ ہے کہ دنبہ سفید بڑی سینگوں والا خصی ہو۔

اور جب فقہاء اور اہل لغت کے کلام سے اس حدیث کا مطلب متعیّن ہوگیا کہ بکریوں کی قسم میں افضل دُنبہ ہے تو پھر اس سے یہ استدلال کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ دنبہ کی قربانی گائے سے بھی افضل ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ یہ حدیث ضعیف بھی ہے، ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے کہا ہے ھٰذا حدیث غریب وعفیر بن معدان یضعف فی الحدیث۔ یہ حدیث غریب ہے اور عفیر بن معدان حدیث میں ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔

وفی میزان الاعتدال: وقال ابوحاتم یکثر عن سلیم عن ابی امامۃ بما لا اصل لہ اھ ج ۲۔ص ۲۰۳

وہ یعنی عفیر بن معدان ابوامامہ سے بواسطہ سلیم کے بے اصل روایتیں نقل کرتے ہیں۔ (اور یہ حدیث خیر الاضحیۃ الکبش ابوامامہ سے بواسطہ سلیم ہی کے روایت کی گئی ہے) لہٰذا بقاعدۂ اصول یہ حدیث احتجاج کے قابل نہیں ہے تاآنکہ اس سے جمہور امت کے خلاف یہ مسئلہ مستنبط کیا جائے کہ دنبہ کی قربانی گائے سے افضل ہے۔ بعض لوگوں کو درّ مختار کی عبارت الشاۃ افضل من سبع البقرۃ (بکری گائے کے ساتویں حصہ سے افضل ہے) غلط اندازے کا موقع مل گیا ہے کہ گائے کی قربانی سے بکری کی قربانی افضل ہے حالانکہ اس کے بعد اس میں یہ قید بھی مذکور ہے اذا استویا فی القیمۃ واللحم اھ یعنی جب گائے کا ساتواں حصہ اور بکری قیمت اور گوشت میں برابر ہوں اس وقت بکری کی قربانی گائے کے ساتویں حصہ سے افضل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ گائے ہی دبلی ہوگی جس کا ساتواں حصہ گوشت میں بکری کے برابر ہو۔ اور قربانی میں افضل یہ ہے کہ

جانور عمدہ ہو -

فی الدر : فان کان سبع البقرۃ اکثر لحماً فھو افضل اھ ج ۵ - ص ۳۱۵

پس اگر گائے کا ساتواں حصہ گوشت میں زیادہ ہو تو وہی افضل ہے اھ

اور ظاہر ہے کہ جیسی گائے قربانی میں عموماً ذبح کی جاتی ہے اس کا ساتواں حصہ بکری سے گوشت میں زیادہ ہوتا ہے پس گائے کا ساتواں حصہ بھی بکری سے عموماً افضل ہے - ہاں جس دبلی گائے کا ساتواں حصہ بکری کے گوشت کے برابر ہو اس سے بکری اس لحاظ سے افضل ہے کہ اس کا گوشت عمدہ ہوگا - پھر یہ ساری گفتگو تو گوشت اور قیمت کے اعتبار سے افضل ہونے میں ہے لیکن جب اس لحاظ سے نظر کی جائے کہ گائے کے ذبح کرنے میں ہندوؤں کے عقیدۂ شرک کا ابطال اور غلبۂ اسلام کا اظہار ہے اس لحاظ سے ہر حال میں گائے کی قربانی بکری کی قربانی سے افضل ہوگی بشرطیکہ وہ گائے بقاعدۂ شریعت قربانی کے قابل ہو اور اسی لحاظ سے روزمرہ بھی گائے کا کھانا بکری کے گوشت کے کھانے سے بہتر ہے - خصوصاً جس جگہ ہندو مزاحمت کرتے ہوں - مگر مسلمان گائے ذبح کرنے پر قادر ہوں وہاں تو ضرور گائے کے گوشت کو بکری کے گوشت سے ترجیح دینی چاہیئے - بعض لوگ کہتے ہیں کہ آجکل ہندوؤں سے ہمارا اتحاد ہے اور اس اتحاد کی ہم کو ضرورت بھی ہے اس لئے گائے کی قربانی بند کردینی چاہیئے - اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوؤں سے ایسا اتحاد کرنا خود ہی ناجائز ہے، جس میں ہم کو ان کی عقیدۂ شرک کی کچھ بھی رعایت کرنی پڑے - گئو رکشا ہندوؤں کا مذہبی اہم عقیدہ ہے، اس میں مسلمانوں کو کچھ بھی حصہ لینا ہرگز ہرگز جائز نہیں - اور جس مقصد میں مسلمان ہندوؤں سے ایسا اتحاد کئے بغیر کامیاب نہ ہوسکیں وہ کام ہر مسلمان کے ذمہ لازم نہ ہوگا اگر ہندو بدوں مذہبی امور میں مداخلت کئے مسلمانوں سے اتحاد نہیں کرسکتے تو ایسے اتحاد کا اختیار کرنا ہی جائز نہیں ہے - اور بعض لوگوں نے جو ایسی مراعات کی نظیریں شریعت میں ثابت کی ہیں انہوں نے مخلوقِ خدا کو سراسر دھوکہ دیا ہے جس کی حقیقت رسالہ " الخیر النامی " میں ظاہر کردی گئی ہے مسلمانوں کو ایسی باتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے - شریعتِ اسلامیہ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ہے جس میں کفار کے مشرکانہ عقیدہ کی کچھ بھی رعایت کی گئی ہو یا کفار کی خاطر کسی اسلامی شعار کو مٹایا گیا ہو نعوذ

باللہ منہ ۔ واللہ المسئول لان یثبتنا علی الصراط المستقیم والحمد للہ وعلی خیر البریۃ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ رجمادی الاولی سنہ ۱۳۴۰ھ

تأیید الجواب وھو الھادی الی الصواب

فی بیان القرآن تفسیر قولہ تعالیٰ : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً الآیۃ

ما نصّہ اوپر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ الخ مخلص کی مدح تھی بعض اوقات اس اخلاص میں غلطی سے غلو اور افراط ہوجاتا ہے یعنی قصد تو ہوتا ہے زیادہ اطاعت کا مگر وہ اطاعت بنظرِ غائر حدِ شریعت وسنت سے متجاوز ہوتی ہے اس کو بدعت کہتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے علماء یہود سے تھے اور اس مذہب میں ہفتہ کا روز معظم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا ان صاحبوں کو بعد اسلام کے یہ خیال ہوا کہ شریعتِ موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعتِ محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں اسی طرح شریعتِ موسوی میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعتِ محمدیہؐ میں اس کا کھانا فرض نہیں سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کردیں تو شریعتِ موسویہ کی بھی رعایت ہوجاوے اور شریعتِ محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہو اور اس میں خداتعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے ۔

فی منھیات عن لباب النقول : اخرج ابن جریر عن عکرمۃ قال قال عبداللہ بن سلام و ثعلبۃ وابن یامین واسد واسید ابنا کعب وسعید بن عمرو و قیس بن زید کلھم من الیھود یا رسول اللہ یوم السبت یوم نعظمہ فدعنا فلنسبت فیہ فنزلت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً

وفی روح المعانی : وکرھوا لحمان الابل اھ

وفی التفسیر المظھری : عن البغوی : وکانوا یکرھون لحوم الابل والبانھا

بعد ما اسلموا فنزلت الآیۃ۔

اس خیال کی اصلاح آیتِ آئندہ میں کسی قدر اہتمام سے فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابلِ رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جاوے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے اور بنسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے

اصلاح مبتدع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۠ ○

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (یہ نہیں کہ کچھ کچھ یہودیت کی رعایت کیا کرو) اور (ایسے خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں سراسر دین معلوم ہو اور فی الحقیقت بالکل دین کے خلاف) پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں (احکام و شرائع اسلام کی) پہنچ چکی ہیں (پھر بھی صراطِ مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین کر رکھو کہ حق تعالیٰ بڑے زبردست ہیں (سخت سزا دیں گے گو چنداں سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ) حکمت والے (بھی) ہیں (کسی حکمت اور مصلحت سے کبھی سزا میں دیر بھی کر دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ) یہ لوگ (جو کہ بعد وضوح دلائل حق کے کج راہی اختیار کرتے ہیں) صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں۔ کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لئے) آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے (یعنی کیا اس وقت امرِ حق قبول کریں گے جس وقت کا قبول کرنا مقبول بھی نہ ہو گا) اور یہ سارے (جزا و سزا کے) مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے (کوئی دوسرا صاحبِ اختیار نہ ہو گا۔ سو ایسے زبردست کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام بجز خرابی کے کیا ہو سکتا ہے۔

د۳ (بعد حذفِ فائدتین) آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمانے سے معلوم ہوا ہوگا کہ بدعت پر
کس درجہ ملامت ومذمت ورد وانکار فرمایا گیا ہے اور حدیثوں میں اس سے زیادہ صاف
الفاظ میں سخت سخت وعیدیں آئی ہیں اور واقع میں اگر غور سے کام لیا جاوے تو بدعت ایسی
ہی مذموم چیز ہونی چاہئے کیونکہ خلاصہ حقیقت بدعت کا غیر شریعت کو شریعت بنانا ہے
اور شریعت کا من اللہ ہونا ضرور اور لازم ہے تو یہ شخص ایسے امر کو جو من اللہ نہیں ہے اپنے
اعتقاد میں من اللہ بتاتا ہے جس کا حاصل اور مرجع افترا علی اللہ اور ایک گونہ ادعاء نبوت
ہے سو اس کے عظیم وثقیل ہونے میں کیا شبہ ہے۔ یہ تو شناعت ہے اس کی حقیقت
کے اعتبار سے اور آثار کے اعتبار سے ایک بڑی شناعت یہ ہے کہ اس سے توبہ کمتر نصیب
ہوتی ہے کیونکہ جب وہ اس کو مستحسن سمجھ رہا ہے تو توبہ کیونکر کرے گا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے
فضل سے اس جہل ہی سے نجات بخش دیں کہ اس کی نظر میں وہ استحسان مبدل بہ استہجان
ہوجاوے تو یہ اور بات ہے۔ اور پھر توبہ سہل ہے۔ اھ

تفریع علی ما فی التفسیر

مقامِ غور ہے کہ جب ایسے امر کی رعایت کو جو کہ فی نفسہ مباح ہو اور ایک وقت میں
ایک شریعت کا جزو ہونے سے عبادت بھی رہ چکا ہو اور بعد تنسیخ کے بھی مباح ہی رہا ہو
اور نیت بھی کسی دنیوی غرض یا کسی کافر کے خوش کرنے کی نہ ہو صرف عارضِ نسخ کے سبب
وہ بدعت ہوگیا ہو جب ایسے امر کی رعایت کو اسلامِ کامل کے خلاف اور یہودیت کا شعبہ
اور اتباعِ شیطان اور محلِ وعیدِ شدید قرار دیا گیا ہو تو جو امر کہ شعارِ کفر اور مبنی علی الشرک
ہونے کے سبب فی نفسہ بھی مباح نہ ہو اور مقصود اس سے رضا مشرکین ہو اور پھر اس کو مقدمۂ
تقویتِ دین بتاکر دین بنا دیا جائے اور اس کے سبب نصوصِ شرعیہ میں تحریف وتغیر کی جاوے
اس کی رعایت کس درجہ اسلام سے بعید اور محلِ اشد وعید ہوگی وھو ظاھر جداً ولا
یتخلص من الذنب بعذر کون الامتناع عملیاً محضاً لا اعتقادیاً لما فی التفسیر
الکبیر لقولہ تعالیٰ: لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ۔ المراد من ھٰذا التحریم ھو
الامتناع عن الاستمتاع بالازواج لا اعتقاد کونہ حراماً۔ الخ۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی عفی عنہ
۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۰ھ

قربانی کی کھال خیرات نہ کرکے مٹی میں دفن کرنے کا حکم

السوال : قربانی کے چمڑے نہ بیچ کر اور خیرات نہ کرکے اس کو مٹی میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
بیّنوا توجروا

الجواب

قربانی میں تو نقص نہ آئے گا مگر اضاعتِ مال کا گناہ ہوگا ۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۹ صفر ۱۳۴۳ھ

۰۹ ـ ۵۵

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم اور حکمتِ جواز

السوال : کتابیہ کے ہاتھ کا ذبیحہ یا اُن کے یہاں شادی بیاہ کرنا درست ہے یا نہیں اگر ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے تو کس طرح سے، کیونکہ جو شخص مسلمان نہیں رسول اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور خدا کی وحدانیت کا قائل نہ ہو اس کے یہاں شادی بیاہ یا اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کیسے جائز ہو سکتا ہے ۔ ذبیحہ میں مسلمان ہونا ضروری ہے ۔ جب یہود و نصاریٰ اسلام کے سراسر خلاف اور منکرِ رسالت یا توحید کے ہیں تو پھر ان کے ہاتھ کی کوئی چیز کیسے درست

ہو سکتی ہے۔ جو چیز کہ ضروریاتِ دین اور شعائرِ اسلام سے عبادات کے اندر پائی جاتی ہو
رہا معاملہ اس میں تو ھندو یعنی اہل کتاب وغیر اہل کتاب سب مساوی ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔
میں نے مالابدمنہ، مؤلفہ جناب مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی جب سے یہ عبارت دیکھی ہے
کہ کتابیہ کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے اور اس کے علاوہ غالباً کوئی آیت قرآن کی بھی اس کے
جواز کا فتویٰ دے رہی ہے، سردست مجھے فرصت نہیں ورنہ مدلل لکھتا بہرکیف تردّد یہ
یہ ہے اس کے باوجود کہ اہل کتاب اپنی اصل شریعت پر قائم ہوں پھر بھی یہ دین محمدی
بلا اختیار کیے اور آپ کی رسالت کے مقر ہوئے بغیر ان کی کوئی چیز کیسے جائز ہوگی۔ اس
آیت سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ ماسوا اسلام کے
اور کسی مذہب اور دین کے قبول کرنے کی رد میں یہ آیت کافی معلوم ہوتی ہے کہ وَمَنْ یَّبْتَغِ
غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ

خلاصہ ان سب مضامین کا مطالعہ فرمایئے، سمجھ کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور اس کا کہنا اور لکھنا بجا ہے۔ بیّنوا توجروا

السائل:
محمد شمس الدین غفرلہٗ
۳ رجب ۱۳۴۰ھ

الجواب

کتابی کے ہاتھ کا ذبیحہ اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا خود نصِ قرآنی سے جائز کیا گیا ہے اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ ۔

پھر سائل کا اس پر چون وچرا کرنا سخت جائے حیرت ہے، کیا احکامِ شرعیہ کی اگر حکمت سائل کی سمجھ میں اگر نہ آئے گی تو وہ اس حکم کو تسلیم ہی نہ کرے گا۔ سائل نے اس سوال میں بہت سخت اور بیجا طور پر چون وچرا کی ہے۔ گویا وہ حکم خداوندی پر اعتراض کرنا چاہتا ہے کہ ایسا کیوں جائز کیا گیا، حرام کیوں نہ کیا گیا۔ سائل کو اگر حکمت دریافت کرنا منظور تھی تو ادب کے ساتھ حکمت دریافت کرتا۔ حکم شرعی پر اعتراض اور چون وچرا کرنا اپنی عاقبت

کو برباد کرنا ہے چونکہ ہم مسلمان ہیں اس لیے سائل کے جواب میں قرآن کی آیت کا لکھ دینا کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خود کتابی کے ذبیحہ کو اور کتابی عورتوں کو حلال کیا ہے ہمارے واسطے یہ دلیل سب سے بڑی دلیل ہے۔ رہا احکام کی حکمت کا بیان کرنا یہ ہمارے ذمہ نہیں کیونکہ ہم واضع احکام نہیں صرف عالم احکام فی الجملہ ہیں۔ احکام کا بتلانا اور حوالہ لکھ دینا ہمارا کام ہے۔ دلائل عقلیہ اور حکمتوں کے بتلانے کے ہم ذمہ دار نہیں۔ ہاں اگر مخاطب میں اہلیت ہو اور وہ زبانی دریافت کرنا چاہے تو اس سے بھی انکار نہیں۔ سائل کے بیہودہ طرزِ سوال کو دیکھ کر حکمت بتلانے کو جی نہ چاہتا تھا مگر پھر طبیعت پر جبر کر کے تبرّعاً لکھتا ہوں

میری سمجھ میں حکمت جو اس مسئلہ کی آئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا پر بھی مسلمانوں کی طرح صحیح ایمان نہیں رکھتے لیکن وہ دوسرے کافروں سے اس بات میں ممتاز ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے دین کا متبع بتلاتے ہیں جو کسی وقت میں دینِ الٰہی یقیناً تھا جس کا اتباع اس وقت فرض تھا۔ نیز وہ اپنے آپ کو ایسے پیغمبروں کا متبع بتلاتے ہیں جو درحقیقت خدا کے سچے رسول اور محبوب ہیں اور اس وقت ان کی رسالت کا دور ختم ہو گیا ہے پس یہ لوگ دوسرے کافروں کے برابر ہرگز نہیں۔ نیز تورات و انجیل پر ادھورا ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ قیامت اور ملائکہ اور دیگر انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جنت دوزخ کے بھی قائل ہیں (کیونکہ یہ گفتگو ان عیسائیوں اور یہودیوں کی بابت ہے جو حقیقت میں عیسائی اور یہودی ہیں اور جو برائے نام عیسائی ہوں اور عقائد میں ملحد ہوں جیسے اکثر انگریز ایسے ہیں تو وہ گفتگو سے خارج ہیں، نہ ان کا ذبیحہ جائز ہے نہ ان کی عورتیں حلال ہیں) اس لیے شریعت نے فی الجملہ دوسرے کافروں سے اہلِ کتاب کا یہ امتیاز عطا کر دیا کہ ان کے ہاتھ کے ذبیحہ کو حلال کیا بشرطیکہ وہ خدا کے نام پر ذبح کریں، مسیح وغیرہ کے نام ذبح نہ کریں اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز کر دیا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

۶ رشوال ۱۳۴۰ھ

سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم اور اس کی تحقیق

السؤال: معروض آنکہ جناب ملکِ بنگالہ میں مکسور القرن کے مسئلہ میں عالموں میں دو فریق میں تنازع ہو رہا ہے ایک فریق اوپر کے خول اور اندر کے استخوان کو قرن، اور دوسرا

فریق فقط اوپر کے خول کو قرن اور اندر کے استخوان کو مشاش ومخ ودماغ سے تعبیر کررہے ہیں۔ اور فریق اول قرن کی جڑ یعنی اصل قرن کو مشاش مخ ودماغ کو مغز سر کہتے ہیں اور دلیل ہر دو کی شامی وعالمگیری اور بزازی ہے۔ تینوں کتابوں کی دلیل سمجھنے میں تنازع ہوا ہے۔ اب امید ہر دو فریق کی یہ ہے کہ آپ بطور فیصلہ کے ایک جواب دیجئے گا اور آپ نے جو بہشتی زیور میں قربانی کے جانور مکسور القرن کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو درست نہیں اس کے کیا معنی ہیں کہ اوپر کے غلاف کا جڑ سے ٹوٹنا مطلب ہے یا کہ غلاف (یعنی خول اور اندر کا استخوان معاً) اور مغلوف ہر دو ٹوٹنا مراد ہے۔ فریق اول اپنے مدعا کا استدلال اسی دلیل سے کرتے ہیں۔

السائل:

محمد دلاور حسین عفی عنہ

پوسٹ دولت خان حاجی پور ومدرسہ اسلامیہ بنگال

الجواب

قال الشامی: ویُضحّٰی بالجماء وھی التی لاقرن لھا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر أو غیرہ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز۔ قھستانی۔

وفی البدائع: ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ ج ۵۔ ص ۳۱۵

قرن کا اطلاق لغۃً اس ہڈی پر ہوتا ہے جو حیوانات کے سر پر بلند ہوتی ہے صرف اس کے خول کو قرن نہیں کہتے اور شامی تصریح کرتے ہیں کہ مکسور بعض القرن کی قربانی جائز ہے جس سے متبادر یہی ہے کہ اگر قرن مع غلاف وعظم باطن کے نصف سے کم ٹوٹ جائے تو قربانی جائز ہے اور مخ سے مراد دماغ ہے جو سینگ کی جڑ سے متعلق (متصل) ہے اس سے مراد باطن غلافِ قرن نہیں ورنہ عبارت اس طرح ہوتی فان بلغ الکسر مخہ ای مخ القرن۔ لغت میں مخ کے معنی نقي العظم کے بھی ہیں اور دماغ کے بھی ہیں۔ لیکن جب لفظ المخ کا اطلاق بلا اضافت الی العظم کے ہو تو ظاہر یہی ہے کہ دماغ مراد ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بدائع میں بجائے مخ کے لفظ مشاش اختیار کیا ہے اور مشاش کا اطلاق باطنِ غلافِ قرن پر ہرگز نہیں ہوسکتا پس بہشتی زیور کی عبارت میں جڑ سے مراد صرف غلاف کی جڑ نہیں بلکہ اندر کی ہڈی اور غلاف دونوں کی جڑ مراد ہے غلاف تو اگر سارا بھی اتر جائے مگر اندر کی ہڈی باقی رہے تو اضحیہ درست ہے فافہم۔

ذابح کی مدد کرنے والا اگر کافر ہو تو ذبیحہ حلال ہے

السؤال : بعض عوام سمجھتے ہیں کہ اگر ذابح کی اعانت کرنے والا مثلاً جانور پکڑنے والا اگر کافر ہو تو ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے براہ کرم یہ جزئیہ جہاں ہو مع حوالہ کتاب وباب وجلد وصفحہ نمبر تحریر فرماویں۔

السائل :
مولوی عبدالحی عفا اللہ عنہ
ترپ بازار شفاخانہ رحمانی حیدرآباد

الجواب

قال العلامة عبد الحیّ فی فتاواہ : گیرندۂ مذبوح را ہمچو رسن وغیرہ تصور باید ساخت، معین ذابح آنست کہ دستِ خود بر آلۂ ذبح نہد۔

فی کتاب الاضحیة من العالمگیریة : رجل اراد أن یضحی فوضع صاحب الشاة یده علی السکین مع ید القصاب حتی تعاونا علی الذبح قال الشیخ الامام یجب علی واحد منهما التسمیة الخ

وفی کتاب الصید : منها مسلم عجز عن حد قوسه بنفسه فاعانه علی مده مجوسی لا یحل اکله لاجتماع المحرم والمحلل فیحرم کما لو أخذ مجوسی بید المسلم فذبح والسکین فی ید المسلم لا یحل اکله اھ ج ۶ ص ۲۸۰

برجندی در شرح نقایہ آوردہ کما یشترط تسمیة الذابح یشترط تسمیة من اعان الذابح بحیث وضع یده علی المذبح کما وضع الذابح۔

وقال قاضی خان فی فتاواه : رجل أراد أن یضحی ووضع صاحب الشاة یده مع ید القصاب علی المذبح واعانه علی الذبح حتی صار

ذابحامع القصاب الخ ج ۴ - ص ۳۰۵

فتاوی عبد الحی : قلت والقیود الفقہیۃ احترازیۃ فعلم ان الآخذ برجل الذبیحۃ ویدھا لیس بذابح ولا بمعین علی الذبح وقال فی الدر وشرط کون الذابح مسلماً الخ فاسلام غیر الذابح لیس بشرط - واللہ اعلم ۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۴ ذی الحجۃ ۱۳۴۰ھ

قربانی کے جانور کی کھال اور اس کے گوشت کا حکم

السؤال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کا ڈول بنواکر مسجد میں دینا یا کھال ہی کھال کی قیمت کو مسجد میں یا دیگر اوقاف میں لگا دینا، تعمیر میں ان کے ملازموں کو تنخواہ میں دیدینا جائز ہے یا نہیں ۔

ع۲ : غریب سید کو یا کسی غنی کو کھال قربانی یا کھال کی قیمت دینا کیسا ہے اور کھال یا قیمت کے ان ہر دو طرح سے دینے میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی حکم ہے ۔

ع۳ : قربانی کا گوشت پختہ یا کچا غیر مسلم ہندو کو دینا کیسا ہے ؟ بیّنوا توجروا

السائل :

جمعیت علی ازکالکا ضلع انبالہ ریلوے مسجد کرنالی

الجواب

قال فی الھدایۃ : واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح (تتمہ جلد ثانی فتاوی امدادیۃ ص۱۳۷)

وفی الدر : فان بیع اللحم او الجلد بہ او بدراھم تصدق بثمنہ اھ (تتمۂ مذکورہ ص۱۳۶)

وفی عالمگیریۃ : ویھب منھا (ای من الاضحیۃ) ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی اھ ج ٦ - ص ۲۰۱)

وفیھا أیضاً : ولا أن یعطی (أی لایجوز) اجرالجزار والذبح منھا اھ (ج ٦ - ص ۲۰۲)

قربانی کی کھال کا بعینہ مسجد میں دینا (بشرطیکہ اس کو بعینہ مسجد کے کام میں لایا جاوے یعنی فروخت نہ کیا جاوے) اسی طرح اس کا ڈول بناکر مسجد میں دینا جائز ہے۔ کیونکہ کھال کا بعینہ تصدّق صدقۂ نافلہ ہے اور صدقۂ نافلہ کا مسجد میں دیدینا جائز ہے۔ باقی کھال کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ قیمت کا تصدق واجب ہے۔ اور صدقۂ واجبہ کے لئے تملیک شرط ہے اور مسجد محلِّ تملیک نہیں۔ اسی طرح کھال کی قیمت کو ملازمینِ مسجد و دیگر اوقاف کی تنخواہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے اسی طرح بعینہ کھال یا اس کی قیمت مسجد کے مؤذن یا امام کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں بھی دینا جائز نہیں ہے البتہ اگر مؤذن و امام کو مقرر کرتے وقت صاف کہہ دیا گیا ہو کہ قربانی کی کھالوں میں تمہارا کچھ حق نہ ہوگا اس کے بعد اس کو بعینہ کھال یا اس کی قیمت دیدی جاوے تو جائز ہے اور صورتِ ثانیہ میں اس کا فقیر ہونا شرط ہے۔ اسی طرح اس کی قیمت کو مسجد کی مرمّت میں بھی صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں بعینہ کھال اگر مسجد یا اوقاف کے کاموں میں لگا دی جائے تو جائز ہے مثلاً مسجد یا مدرسہ کے لئے ڈول بنا دیئے جاویں۔

ج۲ : بنو ہاشم کو بعینہ کھال دیدینا درست ہے پھر وہ خواہ اس کو بعینہ کام میں لاوے یا فروخت کر کے قیمت کام میں لاوے کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقۂ نافلہ ہے، اور صدقۂ نافلہ بنو ہاشم کو دینا جائز ہے۔ مگر کھال بیچکر اس کی قیمت بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں کیونکہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور وہ صدقاتِ واجبہ کے مصرف سے نہیں۔

ج۳ : قربانی کا گوشت کچا یا پختہ ہندو غیر مسلم کو دینا جائز ہے کیونکہ گوشت کا تصدق واجب نہیں پس وہ یا ہدیہ ہے یا صدقۂ نافلہ اور یہ دونوں کافر ذمّی کو دینا درست ہیں۔

قلت والمستامن فی حکم الذمی فی ذلک والحربی المسالم فی حکم الذمی فافهم۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ ذی الحجۃ ۱۳۴۰ھ

عقیقہ کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کا حکم | السّوال : احقر کے یہاں بال بچہ پیدا ہونے والا تھا، اس واسطے ایک بھیڑ خرید لیا تھا اس نیت سے کہ اگر لڑکا ہوگا تو ایک اور خرید لیا جاویگا، ورنہ یعنی لڑکی کی صورت میں تو یہی عقیقہ میں ذبح کر لیا جاویگا۔ اب

ایک لڑکا ہوا جو ایک ہفتہ زندہ رہنے کے بعد مر گیا مگر اس کی طرف سے عقیقہ نہ کر سکا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جانور کا کیا کیا جاوے آیا اور کام میں لایا جا سکتا ہے یا عقیقہ ہی کی نیت سے ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ خریدتے وقت عقیقہ ہی کی نیت تھی گو کہ عقیقہ فرض نہیں مگر نیت کر لینے سے تو اس کا ذبح کرنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور مولوی محمد الیاس صاحب سے اس کی بابت تحقیق کی مگر ان کے پاس نہ وقت تھا اور نہ کتابیں تھیں جو تحقیق فرماتے۔ آپ فرماویں کہ اب کیا کروں آیا اُسے ذبح کروں یا قربانی کی نیت سے پال لوں۔

السائل:
حافظ محمد عثمان۔ تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی

الجواب

عقیقہ کی نیت سے جو جانور خریدا گیا ہے اس کا ذبح کرنا واجب نہیں۔ جس کام میں چاہیں لے آویں۔

لان الشراء بنية العقيقة وان كان بمعنى النذر ولكن يشترط لانعقاد النذر أن يكون المنذور عبادة مقصودة

قال فى الدر: وكان من جنسه واجب اى فرض كما سيصرح به تبعًا للبحر والدرر۔ وهو عبادة مقصودة اھ

قال الشامى: الضمير راجع للنذر بمعنى المنذور إلى أن قال فهذا صريح فى أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه اھ

(ج ۳۔ ص ۱۰۲)

وفى تنقيح الفتاوى الحامدية: ثم إذا أراد أن يعق عن الولد فانه يذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة لانه إنما شرع للسرور بالمولود وهو بالغلام أكثر اھ ج ۲ ص ۲۱۲ وهذا يدل على كونها عبادة غير مقصود فافهم۔ والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا الله عنہ

۱۷ محرم ۱۳۴۱ھ

سینگ ٹوٹی ہوئی گائے کی قربانی کا حکم

السؤال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے قربانی کی نیت سے ایک گائے خریدی ہے۔ مگر اس کا ایک سینگ ٹوٹا ہوا ہے۔ اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ آیا سینگ ٹوٹے ہوئے جانور (گائے) کی قربانی جائز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

بیّنوا توجروا۔

الجواب

بطور مقدمہ کے چند باتیں اول معروض ہیں :

۱؎ : کتبِ حنفیہ میں اکثر فقہاء نے مکسور القرن کو مطلقاً جائز لکھا ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں قرن کے لئے نصف یا اقل من النصف کی کوئی قید مذکور نہیں ہے۔

۲؎ : علامہ شامی نے قہستانی سے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں بعض قرن کی قید مذکور ہے۔ جس سے شبہ ہوتا ہے کہ جمیع قرن کا انکسار مضر ہے۔

قال : وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر او غیرہ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قہستانی

اور ظاہر ہے کہ قہستانی کا قول تنہا حجت نہیں ہو سکتا لکونہ من المجاھیل

۳؎ : بدائع و عالمگیریہ وغیرہ میں بلوغ الکسر الی المخ او الی المشاش کو مطلقاً مانع جوازِ اضحیہ قرار دیا ہے۔ بلوغ الکسر الی المخ او الی المشاش کے بعد کسی نے نصف یا ما دون النصف کی قید نہیں بڑھائی

۴؎ : فقہاءِ حنفیہ نے مکسور القرن کو جماء پر قیاس کیا ہے اور علتِ جواز مکسور القرن یہ بتلائی لکونہ لا یتعلق بہ المقصود یہ علت جس طرح غلافِ قرن میں متحقق ہے داخل غلاف قرن میں بھی متحقق ہے بلکہ بدرجۂ اولیٰ۔ کیونکہ غلاف اتر جانے کے بعد داخلِ غلاف قرن جو کہ ایک نازک ہڈی ہے دفع اذیٰ کے لئے کسی درجہ میں مفید نہیں اور غلاف قرن دفع اذیٰ کو مفید ہے پس اگر غلافِ قرن کو لا یتعلق بہ المقصود کا مصداق مانا جاتا ہے تو داخلِ غلافِ قرن کو بدرجۂ اولیٰ اس کا مصداق ماننا پڑے گا۔

۵؎ : لفظِ مخ کے معنی لغت میں دماغ کے بھی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی معنیٰ فقہاء کے کلام میں مراد ہیں۔ اور مشاش کے معنی متعدد ہیں۔ اور لفظ مشترک کی تفسیر وہی

معتبر ہوگی جو فقہاء نے بیان کی ہے۔ فقہاء نے مشاش کی تفسیر رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین سے کی ہے، اس کا مصداق داخل غلافِ قرن ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کو رأس العظم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کا مصداق قرن کی جڑ ہے۔ رأس الشئ کا اطلاق اصل الشئ پر بکثرت شائع ہے

ع۶ : داخلِ قرن کو ہمارے نزدیک نقی العظم کہنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ نقی العظم سے وہ گودا مراد ہوتا ہے جو بحالتِ لاغری خشک ہوجاتا ہے۔ حدیث میں ہے ولا العجفاء التی لا تنقی اور داخلِ قرن ایسا گودا نہیں جو بحالتِ لاغری خشک ہوجاتا ہو بلکہ وہ بھی خود عظم ہے مگر بنسبت غلاف قرن کے نازک ہے۔

الدليل على المقدمات

أما على الأول فبالاستقراء التام لكتب القوم۔ قال فى الهداية : ويجوز ان يضحى بالجماء وهى التى لا قرن لها لان القرن لا يتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن لما قلنا (من ان القرن لا يتعلق به المقصود۔ المحشى)

وفى العناية ، الا ترى ان الاضحية بالابل جائزة ولا قرن له۔

ج ۸ ص ۴۳۲ هدايه مع الفتح

وفى البحر : ويضحى بالجماء التى لا قرن لها يعنى خلقةً لأن القرن لا يتعلق به المقصود وكذا مكسورة القرن بل اولى انتهى۔ ج ۸ ص ۱۷۶۔

وفى العالمگيرية: ويجوز بالجماء التى لا قرن لها وكذا مكسورة القرن كذا فى الكافى۔ وان بلغ الكسر المشاش لا يجزيه والمشاش رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين۔ كذا فى البدائع۔ اھ ج ۵ ص ۲۰۰

وفى مجمع الانهر : وتجوز الجماء بتشديد الميم وهى التى لا قرن لها بالخلقة اذ لا يتعلق به المقصود وكذا مكسور القرن بل اولى۔ ج ۲ ص ۵۰۰

قلت : وفى هذه العبارات دليل على المقدمة الرابعة أيضاً۔ فقياسهم المكسور القرن على الجماء يفيد أن القرن لا يضر انكساره مطلقاً، ولو لم يبق منه شئ فغايته أن يصير كالجماء والتضحية بها جائزة، فكذا بالمكسور القرن الذى لم يبق من قرنه شئ للعلة الجامعة التى هى

كون القرن لا يتعلق به مقصود والغلاف داخله فيه سواء

وأما على الثانی فما فی رد المحتار : انه لا يجوز الافتاء من الكتب المختصرة إلى أن قال ، أو لعدم الاطلاع على حال مؤلفيها كشرح الكنز لملا مسكين وشرح النقاية للقهستانی ۔ ج ۱ ۔ ص ۴۲

وأما على الثالث : فبالاستقراء التام لكتب القوم الموجودة عندنا فلم نجد أحداً صرح بأنه يجوز الأضحية اذا بلغ الكسر المشاش أو المخ بما دون النصف ولا يجوز إذا زاد عليه بل كلامهم يفيد أن بلوغ الكسر إلى المخ أو المشاش يمنع الجواز مطلقاً هذا يدل على أن المراد بالمخ او المشاش ليس بشیء من اجزاء القرن ، فان كسر بعضه لا يضر اتفاقاً ۔ وكله أيضاً على ما هو مقتضى اطلاق الفقهاء المعول عليهم بل المراد به إنما هو أصل القرن الذی يتصل بالمخ ای الدماغ فان بلوغ الكسر اليه عيب فاحش يضر بصحة الحيوان ۔ فقول المجيب أطال الله بقاءه فی آخر جوابه : اور مكسور المشاش اوراعضب القرن وہ جانور ہيں جن كی سينگ كا اندر كا حصہ نصف يا مافوق النصف شكستہ ہو اوراس كی قربانی جائز نہيں الخ لا دليل عليه ولا أدری من أين أخذ التقييد بالنصف و بما فوقه بعد بلوغ الكسر إلى المشاش والحال ان الفقهاء يمنعون عن التضحية اذا بلغ الكسر المشاش من غير تقييد وأما ما نقل من قول سعيد بن المسيب فی جواب قتادة العضب ما بلغ النصف فما فوق ذلك فلا حجة فيه ما لم تكن فی المذهب رواية توافقه

وأما على الرابع : فقد مرّ ۔

وأما على الخامس : فما فی القاموس المخ نقی العظم والدماغ وشحمة العين الخ ج ۱ ۔ ص ۲۶۷

وفی الحديث : فجاء يسوق عنزا عجافا مخاخهن قليل هو جمع مخ ۔

(مجمع البحار ۔ ج ۱ ۔ ص ۸۵)

وهو يدل على أن مخ العظم يراد به ما يقل حال العجف ويزيد فی السمن وليس داخل غلاف القرن هكذا ۔ وفی القاموس أيضاً المشاشة

لضم رأس العظم الممكن المضغ جمع مشاش ۔ ج ۱۔ص ۲۵ ۴ ۔

وفی المجمع : فی صفتہ صلی اللہ علیہ وسلم جلیل المشاش أی عظیم رؤس العظام کالمرفقین والکتفین والرکبتین وقیل هو رؤس عظام لینۃ ، یمکن مضغها اھ ج ۲۔ ص ۳۰۲

قلت : وعلیہ یحمل مافی المغرب من قولہ فان بلغ الکسر إلی المشاش لایجزیہ یراد بہ عظم داخل القرن اھ فداخل القرن محمول علی أصلہ فانہ یصح اطلاق إطلاق الداخل علیہ أیضا وهو المراد بالمشاش فافهم علی أن تفسیر الفقهاء أولی من تفسیر المغرب ۔

وأما علی السادس : فظاهر غیر خفی

تائید الکلام السابق

قال العلامۃ النووی فی شرحہ علی صحیح مسلم : ما نصہ : واجمع العلماء علی جواز التضحیۃ بالاجم الذی لم یخلق لہ قرنان واختلفوا فی مکسور القرن فجوزہ الشافعی وابوحنیفۃ والجمهور سواء کان یدمی ام لا وکرهہ مالک اذا کان یدمی وجعلہ عیباً اھ ج ۲ ص ۱۵۵

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کے نزدیک مکسور القرن کی قربانی مطلقاً جائز ہے خواہ اس کسر کی وجہ سے خون بھی بہتا ہو یا نہ بہتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوازِ اضحیہ میں غلافِ قرن و داخلِ غلاف کا انکسار برابر ہے۔ داخل غلاف ہی کے ٹوٹنے سے خون بہتا ہے اور امام ابوحنیفہ و جمہورِ علماء اس کو بھی مضر نہیں کہتے صرف امام مالکؒ نے اس کو مکروہ کہا ہے جبکہ خون بہتا ہو پس مشاش ومخ کی جو تفسیر مجیب سلمہ نے کی ہے وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر منطبق ہو سکتی ہے نہ کہ حنفیہ کے مذہب پر، لیکن وہ بھی صرف کراہت کے قائل ہیں عدم جواز کے وہ بھی قائل نہیں۔ رہا یہ کہ حدیث میں اعضب القرن سے نہی وارد ہے اور عضباء کے معنی الشاۃ المکسورۃ القرن الداخل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عضب کے معنی قطع کے ہیں پس اعضب القرن بمعنی مقطوع القرن ہوا جو اس کو بھی شامل ہے جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو گو عضباء کا استعمال بمعنی خاص بھی ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اعضب القرن

بمعنی متطوع الاصل ہے۔ قاموس میں ہے کبشٌ اعضب بیّن العضب ج ۱-ص ۶۵
پس ہمارے نزدیک اعضب القرن سے مراد وہی ہے جس کے سینگ کی جڑ ظاہر ہوگئی ہو یا سینگ جڑ سے ٹوٹ کر لٹک گیا ہو، بیّن العضب اسی کو بولیں گے۔ ھذا واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم ولعل الحق لا یتجاوز عن ھذا بعد الفحص الکثیر من کلام الفقہاء السادات الحنفاء فقط۔

حررہ المفتقر الی ربہ الصمد
عبدہ المذنب ظفر احمد عفا اللہ عنہ بمنہ وکرمہ المؤید
۳ر صفر المظفر سنہ ۱۳۴۱ھ

تتمہ قال فی المرقاۃ فی تفسیر اعضب القرن والاذن ای مکسور القرن مقطوع الاذن الی أن قال وقیل مقطوع القرن والاذن والعضب القطع وفی المہذب انہ تجوز الجماء التی لا قرن لہا او کان مکسورًا أو ذھب غلاف قرنہا فیکون النہی تنزیہا اھ
ج ۲- ص ۲۶۶

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ جواز اضحیہ میں جماء اور مکسور القرن اور ذاھب الغلاف سب برابر ہیں۔ اگر حنفیہ کا مذہب اس ہی خلاف قول مہذب ہوتا تو علامہ علی قاری ضرور اس پر تنبیہ فرماتے حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حدیث کا کراہۃ تنزیہ پر محمول ہونا ظاہر کر دیا جس کی دلیل حضرت علی کی دوسری حدیث ہے جو ترمذی نے اس سے پہلے نقل کی ہے۔

عن حجیۃ بن عدی عن علی قال البقرۃ عن سبعۃ قلت فان ولدت قال: اذبح ولدھا معہا، قلت: فالعوجاء قال: اذا بلغت المنسك قلت: فمکسورۃ القرن فقال: لا بأس أمرنا أو امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم امرنا بذلك ولم یأمرنا بذلك ولم یأمرنا باستشراف القرن فلا بأس بالمکسورۃ القرن ترمذی ج ۱- ص ۱۸۱

دوسری بات عبارت مرقات سے یہ معلوم ہوئی کہ مکسور القرن اسی کو بولتے ہیں جس کا سینگ مع غلاف وداخل غلاف کے ٹوٹ گیا ہو کیونکہ اس میں مکسور کے بعد او ذھب غلاف قرنہا مقابلہ میں مذکور ہے اور یہی میرا خیال ہے کہ جس کا سینگ

اندر سے نہ ٹوٹا ہو صرف غلاف اتر گیا ہو اس کو مکسور القرن نہیں کہتے بلکہ اس کو ذاہب الغلاف کہنا چاہئے۔

پس کلامِ فقہاء میں جہاں کہیں مکسور القرن کی اجازت مذکور ہے اس سے وہی مراد ہے جس کا غلاف و داخلِ غلاف دونوں ٹوٹ گئے ہوں بشرطیکہ دماغ ومشاش تک اثر نہ پہنچا ہو اور عبارتِ جوہرہ میں قصماء کی اضحیہ کا جواز مذکور ہے اس سے مکسور القرن ظاہرًا و باطنًا کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ عبارت اس سے ساکت ہے۔ اور علامہ علی قاری کی عبارت اور فقہاء کا اطلاق اور اشتراکِ علت اور علامہ نووی کا کلام جواز کو مقتضی ہے اور ظاہر ہے کہ تصریحاتِ فقہاء کو سکوت پر ترجیح ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

ذابح کی اعانت کرنے کا معنی | السؤال: جو شخص بوقت ذبح بکری کے پیر وغیرہ پکڑے رکھے وہ معینِ ذابح ہے یا نہیں اور اس کا بوقتِ ذبح، تکبیر یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا لازم ہے یا نہیں اور اگر بوقتِ ذبح کچھ بھی نہ پڑھے تو ذبح درست ہو جاوے گا یا نہیں؟

السائل:
محمد اسماعیل ناظم انجمن اسلامیہ گورکھپور

الجواب

پیر وغیرہ پکڑنے والا معینِ ذابح نہیں بلکہ معینِ ذابح وہ ہے جو ذبح کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔

قال فی الخلاصۃ: وفی الاصل التسمیۃ عند الذبح شرط عند القطع آھ۔ ج۴ ص۳۰۸

قلت: مقتضاہ ان یشترط علی القاطع لاغیر قال فی الاشباہ: مجوسی اخذ بید مسلم فذبح والسکین فی ید المسلم لا یحل أکلہ کما لو عجز مسلم عن مد قوسہ بنفسہ فاعانہ علی یدہ مجوسی لا یحل اکلہ اھ ص۹۰

قلت: وقیود الفقہ احترازیۃ فلو لم یاخذ بید الذابح لا یعد معینا اھ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۹ رجب ۱۳۴۱ھ

ذابح نے غلط تلفظ کے ساتھ بسم اللہ اللہ اکبو کہا تو ذبیحہ درست ہے یا نہیں

السوال : اگر کوئی جاہل غیر محتاط جو نماز کی بھی پابندی نہیں کرتا، غلط تلفظ کے ساتھ بِسْمِ اللہ اَللّٰہُ اَکبر کہہ کر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ درست ہوگا یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

السائل :
محمد اسماعیل گورکپوری

الجواب

جب بسم اللہ کہدیا تو ذبیحہ حلال ہوگیا۔

قال فی الخلاصة : ولو قال مکان التسمیة الحمدﷲ اوسبحان اللہ یرید التسمیة اجزاہ ۱ھ ج ۴۔ ص ۳۰۸

بس بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنے سے حلت میں کچھ شبہ نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۹ر رجب ۱۳۴۱ھ

بعد فوت اضحیہ کے ذبح کافی نہیں بلکہ تصدق بھی واجب ہے

السؤال : کسی شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تین دن گزر گئے اس نے قربانی نہیں کی تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے اگر اس نے قیمت تو نہیں خیرات کی بلکہ اس نے یہ کیا کہ پچھلے سال کا بھی ایک اور حصہ اب کے سال گائے میں لے لیا تو اس سال گذشتہ کی قضاء قربانی صحیح ہوجاوے گی یا نہیں ؟ اس مسئلہ کا جواب مع حوالہ کتب ضرور تحریر فرمائیں نہایت احسان ہوگا۔

السائل :
محمد عمران مدرس مدرسہ ارشاد العلوم
گڑھی پختہ ضلع مظفر نگر

الجواب

بعد فوت ایام اضحیہ کے تصدق قیمت شاۃ ہی واجب ہے۔ سال موجودہ میں حصہ لینے یا بکری ذبح کرنے سے سال گذشتہ کی قضاء نہیں ہوسکتی۔

قال قاضی خان : ولو لم یفعل شیئاً من ذلک حتی جاء ایام النحر من السنۃ القابلۃ وضحی بہا عن العام الاول لا یجوز لأن اراقۃ الدم عرف قربۃ اداءً لاقضاءً اھ ج ۴- ص ۳۳۰ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۴/ ذی الحجۃ ۱۳۴۲ھ

مالکِ تالاب کا لوگوں کو مچھلیاں شکار کرنے سے روکنے کا حکم

السوال : جس تالاب کے چاروں طرف مٹی اس قدر بلند ہو کہ کبھی باہر کا پانی اندر اور اندر کا پانی و مچھلی باہر نہیں آجا سکتے اور اس کا مدخل مالک تالاب کے اختیار میں ہے۔ ایسے تالاب میں دو قسم کی مچھلی ہوتی ہے۔ ایک وہ کہ جسے مالک خود خرید کر اس تالاب میں چھوڑتا ہے جس کو ہمارے ملک میں "روھی کنال" وغیرہ کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جو مدخل یا کسی اور طرح سے اس میں آجاتی ہے۔ اس بارے میں سوال یہ ہے کہ مالکِ تالاب اِن دونوں قسم کی مچھلی کے شکار کرنے سے غیر کو روک سکتا ہے یا نہیں؟ یا اس میں ایک صورت میں منع کر سکتا ہے اور دوسری صورت میں منع نہیں کر سکتا۔ فقط والسلام

تنقیح سوال اس عبارت یعنی خط کشیدہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

جوابِ تنقیح اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تالاب سے پانی نکالنے یا اندر لانے کیلئے جو راستہ رکھا جاتا ہے اس کو جب کھول دیتے ہیں تو باہر سے قسم بہ قسم کے مچھلی آجاتی ہیں اور کبھی تالاب کے بند رہتے ہوئے بھی بعض مچھلیاں کان سے چل کر اندر چلی جاتی ہیں جس کو کٹے مچھلے کہتے ہیں۔

الجواب

اگر تالاب مچھلی ہی کے جمع کرنے اور پرورش کرنے کے لئے بنایا گیا ہے تو اس میں جس قدر مچھلیاں ہوں خواہ خرید کر چھوڑی ہوں یا خود آگئی ہوں سب مالکِ تالاب کی مملوک ہیں۔ دوسروں کو ان کا شکار جائز نہیں ہے۔ اس لیے دوسروں کے روکنے کا بھی حق ہے اور اگر اس غرض کے لئے نہیں بنایا گیا تو جو مچھلیاں خرید کر یا پکڑ کر اس میں چھوڑی جائیں وہ اور ان کی نسل مملوک ہیں، خواہ مدخل کو بند کرے یا نہ کرے اور جو ازخود داخل ہوں وہ مملوک نہیں ہیں مگر جبکہ داخل ہونے کے بعد مدخل کو بند کر دیا جائے

تو وہ بھی مملوک ہوجائیں گی۔ اور شکار سے روکنے کا حق مملوک میں ہے نہ کہ غیر مملوک میں فافهم هذا ما فهمته من عبارة الشامية ج ۴ ص۱۶۴ و ص۱۶۵

اور یہ مسئلہ تتمہ جلد ثالث فتاوی امدادیہ میں بھی ہے (ص۱۵۴) مگر اس میں اعداد للسمک کی صرف ایک ہی صورت مذکور ہے سد مدخل ونحوہ۔ اس سے یہ بھی مفہوم نہیں ہوتا کہ پورا تالاب بھی معد للسمک ہوسکتا ہے مگر حضرت مولانا نے مشافہۃً مجھ سے فرمایا کہ تالاب پورا بھی معد للسمک ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ سراجیہ امدادیہ

۵؍ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

گونگے آدمی کے ذبیحہ کا حکم

السؤال: صُمٌّ بُكْمٌ آدمی جانور کو ذبح کرے تو وہ حلال ہوگا یا حرام اور اس کو تکبیر پڑھنا کس طرح سکھایا جاوے اور اس کے نکاح خوانی میں قبول کس طرح کردیا جاوے۔

الجواب

قال فی العالمگیریہ: وتؤكل ذبيحة الأخرس مسلماً كان او كتابياً كذا فی قاضیخان اھ ج ٦ ص ١٩٢

اس سے معلوم ہوا کہ گونگے مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اشارہ سے اس کو تکبیر سکھادی جاوے اور نکاح میں اس کا اشارہ سر وغیرہ سے قبول کرلینا کافی ہے واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۶؍ ذی الحجہ ۴۲ھ

قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم

السؤال: زید نے قربانی کے لئے ایک گائے ۲۷ روپے میں خریدی اور عمر نے ایک گائے ساڑھے ستائیس ½ ۲۷ روپیہ میں خریدی اور عمر نے کاشتکاری کی غرض سے خریدی۔ مگر عمر کی گائے دیکھنے

میں زید کی گائے سے زیادہ موٹی تازہ نظر آتی ہے اور کچھ بڑی بھی ہے مگر ہل جوتنے میں بالکل ناکارہ ہے اور زید کی گائے ہل جوتنے میں خوب چست و چالاک ہے اس لئے عمر سے کہتا ہے کہ تم اپنی گائے مجھے دیدو اور میری گائے لے لو اور قربانی کرلو اس حالت میں اس کو تبدیل کر کے قربانی کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔ اگر یہ صورت جائز نہ ہو پھر یہ کس طرح جائز ہوگی۔

الجواب جائز ہے۔ اگر زید صاحبِ نصاب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
المقیم بالخانقاہ الامدادیہ، تھانہ بھون
۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

جو جانور قربانی کے واسطے متعین کر دیا ہو اس کا گوشت کھانے کا حکم اور اس صورت میں نذر ہونے کا اشکال اور اس کا جواب

السؤال: معروض بحضور فیض گنجور این کہ از قدیم الایام رسم این دیار چنیں افتادہ است کہ بیع و شراء جانورانِ اضحیہ بہ دو چہار روز پیشتر از ایام النحر کردہ می شود و مردمان جانور آں خریدہ برای اضحیہ نام زد کردہ متعین می سازند و ہمچنین اگر جانورے بملکِ کسے باشد آنرا قبل ایام النحر برای قربانی معین کردہ میدارند و بروزِ نحر آنرا ذبح کردہ غنی و فقیر بری الذمہ می شود، فی الحال مارا دراں باب شکے افتادہ است برائے ازالہ آں شبہ کتابہا دیدہ ایم، جوابِ شافی میسر نیامد۔ امیداست کہ آنجناب جوابِ شافی دادہ ممنون و مشکور فرمایند۔ فتوائے کہ دراں باب نوشتہ شدہ است بعینہ نقل کردہ میشود اگر آنرا صحیح پندارند بہ مہر و دستخط مزین نمایند و اگر روایتے قابلِ تردید باشد آنرا رد کنند۔

نقل مطابقِ اصل

ماقولکم رحمکم اللہ تعالےٰ اندریں کہ اضحیہ کدام وقت واجب میگردد واگر کسے حیوانے جہتِ اضحیہ قبل ایام النحر خریدہ بہ زبان ہم بگوید کہ این برای اضحیہ خریدہ ام یا بدین قربانی خواہم کرد۔ و ہمچنین اگر جانورے بملکِ کسے باشد وآں را دراں ایام برای قربانی نام زد کردہ متعین سازد آیا دراین ہر دو صورت آں حیوان منذور باشد یا نہ و بر تقدیر اول غنی را ذبحِ آں از ادائی واجب کافی باشد یا نہ و

خوردنِ آن نادار وغنی را رواباشد یانہ ؟ بینوا توجروا۔

الجواب وباللہ التوفیق

وقت وجوبِ اضحیہ فجر یوم النحر است تا آخر آن ایام لما فی الدر المختار۔ فتجب التضحية على حرّ مسلم مقيم موسر عن نفسه لا عن طفله، شاة او سبع بدنة فجر يوم النحر الى آخر أيامه اه

پس اگر کسے جانورے را بجہتِ آن قبل آن خریدہ نام زد کند آن منذور باشد لما فی الدر المختار۔

(قوله لوجوبها عليه بذلك) أى بالشراء وهذا ظاهر الرواية لأن شرائه لها يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية عرفاً كما فى البدائع انتهى۔

وفى فتاوىٰ قاضى خان: رجل اشترىٰ شاة للاضحية واوجبها بلسانه ثم اشترى اخرىٰ جاز له بيع الاولى فى قول ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله فان كانت الثانية شرًا من الاولى وذبح الثانية فانه يتصدق بفضل ما بين القيمتين لانه لما أوجب الاولى بلسانه فقد جعل مقدار ماليته لله تعالىٰ فلا يكون له ان يستفضل لنفسه شيئا فلهذا يلزمه التصدق بالفضل انتهى

می گویم کہ اگر آن منذور نبودے تصدق لازم نشدے۔

وفى الصورة الثانية: فالايجاب باللسان وما يوجب باللسان يكون واجبًا كما علم مما سبق ويعلم مما فى الهداية. وشرحها. ففى الهداية: ولو لم يضح حتى مضت ايام النحر ان كان اوجب على نفسه القول وفى الكفاية قوله: ان كان اوجب على نفسه اى شاة بقيمتها بان يكون فى ملكه شاة فيقول اضحى بهذه او

لہ الكلام عليه: قلت هذا راجع الى الفقير فقط دون الغنى كما سيأتى فى حاشية الصفحة الآتية وهو محمول على ما اذا نوى به الانشاء اما لو نوى به الاخبار فلا نذرا اصلاً ۱۲ ظ

لہ الكلام عليه: اقول جواز البيع يدل على عدم كون شراءه نذرًا فان المنذور لا يجوز بيعه كما سيأتى ان الفقير اذا اشترى شاة للاضحية تعينت لها ويمتنع عليه بيعها واما ←

يقول لله علی ان اضحی بهٰذه او يقول علی ان اضحی بهٰذه - انتهى وفى العناية سواء كان الموجب غنيًا او فقيرًا انتهى .

وفى ردالمحتار : (قوله ناذرلمعينة) قال فى البدائع اما الذى يجب على الغنى والفقير فالمنذوربه بان قال : لله علیّ أن أضحى شاة اوبدنة اوهٰذه الشاة اوالبدنة اوقال جعلت هٰذه الشاة اضحية لأنها قربة من جنسها ايجاب وهو هدى المتعة والقران والاحصار فتلزم بالقدر كسائر القرب والوجوب بالنذر يستوى فيه الغنى والفقير اهـ

وجوب التصدق بالفضل فليس لكونه نذرًا بل لكونه شبه الرجوع عن الصدقة ولا يجوز الرجوع فيها ولكونه اعدها للقربة فيمنع عن التمول بها ولو سلّما كونه نذرًا فلا نسلم عموم هٰذا الجواب للغنى والفقير كليهما بل نخصه بالفقير كما فى العالمگيرية بعد ذكر المسئلة - قال بعض مشائخنا هذا اذا كان الرجل فقيرًا فان كان غنياً فليس عليه أن يتصدق بالفضل انتهى .

وسلّمنا عمومه للغنى والفقير كما سيأتى عن السرخسى فلزوم التصدق على الفقير لكونه نذرًا. ولزومه للغنى لتعيينه للقربة قال الامام السرخسى : الصحيح ان الجواب فيهما على السواء يلزمه التصدق بالفضل غنيًا كان او فقيرًا لان الاضحية وان كانت واجبة على الغنى فى الذمة وانما يتعين المحل بتعيينه فتعين هٰذا المحل بقدر المالية لأن التعيين يقدر فى ذلك اهـ عالمگيريه ص۱۹۵ ج ٦ يعنى فلا ينبغى التمول بالفضل بعد ما عيّن الاولى للقربة هٰذا ولو كان التعيين نذرًا فى حق الغنى لوجب عليه أن يضحى بشاتين كما ادعاه المجيب فيما بعد وشاة للنذر وشاة للاضحية ولم يذكر قاضيخان وجوب الاثنين فى هٰذه المسئلة بل اكتفى بذكر جواز بيع الاولى ولا يخفى ان جواز بيع الاولى يتفرع على عدم وجوبه نعم يشكل عليه ان الفقير اذا اشترى اثنين بنية الاضحية وجب عليه كلاهما لا يجوز له بيع واحد منهما فكيف يكون الجواب فى الفقير والغنى على السواء فالظاهر تخصيصه بالغنى اوهو معين على الرواية الاخرى وهى رواية النوادر ان الفقير لا تجب عليه الاضحية بشراء الشاة لها كما سيأتى فافهم ۱۲ ظ

سه قوله اوقال جعلت : قلت انما يكون الجعل المذكور نذرًا فى حق الغنى اذا نوى به الايجاب ابتداء وأما اذا قال جعلت هٰذه الشاة اضحية ونوى بها الأضحية الواجبة عليه فلا يكون نذرًا كما صرح به الشامى فيما بعد وهٰذا اذا جعلنا قوله جعلت هٰذه الشاة ←

وقد استفيد منه ان الجعل المذكور نذر وان النذر بالواجب صحيح انتهى۔ فلو لم يوجب باللسان لم يجب بمجرد النية لما فی رد المحتار نقلاً عن البدائع فلوكانت فی ملكه فنوی ان يضحی بها لا يجب ۔ انتهى ملخصًا

ہم گاہ این منذور باشد غنی را ذبحش از ادای واجب کفایت نکند لما فيه ايضًا

واعلم لانه قال فی البدائع ولو نذر أن يضحی شاة و ذلك فی ايام النحر وهو موسر فعليه أن يضحی بشاتين عندنا شاة بالنذر وشاة بايجاب الشرع ابتداءً إلا اذا عنی به الاخبار عن الواجب عليه فلا يلزمه إلا واحدة ولو قبل ايام النحر لزمه شاتان بلا خلاف لأن الصيغة لا تحتمل الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت وكذا لو كان معسرًا ثم ايسر فی أيام النحر لزمه شاتان ۔ انتهى

ومقتضى هذا ان الموسر إذا نذر فی أيام النحر وقصد الاخبار عن الواجب لم يكن ذلك منه نذرًا حقيقة وان لزوم الشاة عليه بايجاب الشرع اما اذا لحق ولم يقصد الاخبار اوكان قبل أيام النحر أوكان معسرًا فأيسر فيها فانه وان لزمه شاة أخرى بالنذر لكنها لم تكن واجبة قبل بل واجبة غيرها فهو نذر حقيقة ۔ انتهى ۔

وخوردن منذور نا دار و غنی را روا نباشد لما فيه أيضًا (قوله ويأكل من لحم

اضحية راجعًا إلى الغنی والفقير كليهما والظاهر انه راجع إلى الفقير فقط دون الغنی لان الجعل المذكور ليس أقوى من الشراء بنية الاضحية ولم يكن الشراء كذلك نذرًا فی حق الغنی كما صرحوا فلذلك جعله نعم! هو نذر فی حق الفقير مثل الشراء فی حقه وح فلا حاجة إلى الجواب الذی ذكرناه ۔ والله اعلم ۱۲ - ظ

ولا يذهب عليك ان قوله جعلت هذه الشاة اضحية أو قوله أضحی بها ليس من صيغ النذر حقيقة وانما هو محتمل للانشاء والاخبار معًا فلو اراد به الانشاء ابتداءً صار نذرًا والغنی والفقير فيه سواء ولو أراد الاخبار عن الحال او المستقبل لم يكن نذرًا فی حق الغنی اصلاً سواء كان قبل ايام النحر او فيها لان الاخبار عن المستقبل متعارف أيضًا كالاخبار عن الحال والماضی وبالجملة فالتعيين والجعل المتعارفان فی بلادنا لا يدخلان فی النذر لكونهما صادرين على طريقة الاخبار خبرًا ما دون الانشاء ولا نذر بنية الاخبار كما صرحوا ۔ فافهم حق الفهم. كذا قاله سيدی حكيم الامة دامت بركاتهم ۱۲ ظ

الاضحية الخ) هٰذا فى الاضحية الواجبة والسنة سواء اذا لم تكن واجبة بالنذر وإن وجبت به فلا يأكل منها شيئًا ولا يطعم غنيًا سواء كان الناذر غنيًا أو فقيرًا لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق ذلك ـ ولو أكل فعليه قيمة ما أكل ـ زيلعى ـ انتهى ـ والله أعلم

كتبه محمد عبدالحميد الفتحى عفى عنه

الكلام على الجواب المذكور

اقول هٰذا الجواب كله بناء الفاسد على الفاسد ومنشأوه اتحاد حكم الفقير والغنى فى وجوب تصدق شاة اشتريا ها للاضحية أو عيناها لها من دون الشراء وفات وقت الاضحية بمضى ايام النحر وعدم جواز اكلهما منها لو ذبحاها بعد الوقت ففهم المجيب باتحادهما فى هٰذا الحكم كون شراء كل منهما نذرًا وكذا تعيينهما لها والحال ان وجوب تصدق الشاة المشتراة أو المعينة للاضحية على الغنى بعد مضى الوقت انما هو لسبب آخر لا لكون شراء او تعيينه لها فى حكم النذر ـ وما ذكره فى الشامية تحت قول الدر : ويكره الانتفاع بلبنها قبله كما فى الصوف ومنهم من اجازها للغنى لوجوبها فى الذمة فلا تتعين اھ بما نصه ـ والجواب ان المشتراة ع للاضحية متعينة للقربة اى ان يقام غيرها مقامه فلا يحل له الانتفاع بها ما دامت متعيّنة ولهٰذا لا يحل

ع قلت ولما كان المشتراة للاضحية متعينة للقربة ثبت ان الشراء بنية الاضحية وقوله جعلت هٰذه اضحية وقوله أضحّى بهٰذه كلها سواء فان الاخيرين ايضًا لا يفيدان الزيادة على معنى التعيين فمن كان الشراء نذرا فى حقه وهو الفقير كان الاخيران ايضًا نذرًا فى حقه ومن لا فلا والايجاب باللسان فى حق الغنى لا يتحقق الا بصيغة تفيد الالزام الا بما يفيد التعيين فقط ۱۲ ظ

واما فى ايام النحر فشراء الغنى شاة للاضحية او تعيينه لها من دون الايجاب ابتداءً ليس بنذر ما لم يأت بصيغة النذر صريحًا كقوله « لله علىّ أن أضحّى بهٰذه الشاة » ونحوها وهٰذا ايضًا اذا لم يقصد الاخبار من الوجوب الشرعى عليه فلو ــ

له لحمها اذا ذبحها قبل وقتها۔ بدائع على انه يأتى قريبًا انه يكره ان يبدل بها غيرها فيفيد التعيين ايضًا۔ اھ ج ۵ ص ۳۲۱ ، ۳۲۲

قلت : فلما مضى ايام النحر ولم يستبدل بها غيرها تعينت للقربة من كل وجه لفوات وقت الاستبدال فيجب عليه التصدق بها ميتة كما فى الشامية نقلاً عن البدائع ان الصحيح ان الشاة المشتراة للاضحية اذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلاخلاف بين اصحابنا ، فان محمدًا قال وهذا قول ابى حنيفة وابى يوسف وقولنا اھ

وعلى كل فالظاهر انه لايحل له الاكل منها (لو ذبحها بعد مضى الوقت) كما لايجوز له حبس شئ من قيمتها۔ تأمل (ج ۵ ص ۳۱۴)

اتى بصيغة النذر واراد بها الاخبار عن الايجاب الشرعى لم يكن نذرًا اولى لان الاصل فى النذر هو القول بصيغته دون فعل الشراء وشراء الفقير لها بنية الاضحية او تعيينه فى أيام النحر نذر فى ظاهر الرواية واما شراءه لها بنيتها قبل أيام النحر۔ و ظاهر عبارة التتارخانية انه ليس بنذر فى حقه أيضًا وظاهر اطلاق المتون انه نذر كشراءه فى ايام النحر۔

قال فى الهداية : ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع ان كان غنيًا عليه غيرها وان كان فقيرًا تجزئه هذه لان الوجوب على الغنى بالشرع ابتداءً لا بالشراء فلم متعين به (اى بالشراء وهذا صريح فى عدم كون شراءه بنية الاضحية نذرًا ۱۲) وعلى الفقير بشراءه بنية الاضحية فتعينت ولايجب عليه ضمان نقصانه وعن هذا الاصل (يعنى كون الوجوب على الغنى بالشرع لا بالشراء وعلى الفقير بالعكس ۱۲ عناية)

قالوا اذا ماتت المشتراة للتضحية على الموسر مكانها اخرى ولاشئ على الفقير ولو ضلت اوسرقت فاشترى اخرى ثم ظهرت الاولى فى ايام النحر على الموسر ذبح احدهما وعلى الفقير ذبحهما الخ ۔

قال فى العناية : لان الوجوب عليه بالشراء وقد تعدد وهذا الذى ذكره من الاصل يوافق ما ذكره شيخ الاسلامؒ ان المشترى اذا كان موسرًا لا تصير واجبة

حاشيه :

بالشراء بنية الاضحية باتفاق الروايات۔ وان كان معسرًا ففى ظاهر الرواية عن اصحابنا رحمهم الله تجب۔ وروى الزعفرانى عن اصحابنا لا تجب عـه وهو رواية النوادر، اه

(هدايه مع فتح القدير ج ۸ ص ۴۳۵)

قلت فلو كان شراء الغنى نذرًا كشراء الفقير لزم اتحادهما فى جواب المسئلة ووجوب الاثنين عليهما۔ وقد نص فى الهداية على خلافه وصرح فى العناية عن شيخ الاسلام بعدم الوجوب على الغنى بالشراء بنية الاضحية وهذا صريح فى نفى كون شراءه نذرًا وهذا باتفاق الروايات فافهم – وفى الدر: وفقير شراها لها لوجوبها عليه بذلك۔ حتى يمتنع عليه بيعها۔ قال الشامى: وهذا ظاهر الرواية لان شراءه لها يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية عرفا كما فى البدائع

ووقع فى التاتارخانية: التعبير بقوله شراها لها ايام النحر وظاهره انه لو شراها لها قبلها لا تجب ولم اره صريحًا فليراجع اه (ج ۵ ص ۳۱۳) قلت، وقد اختلف المشائخ فى جواز اكل الفقير من شاة شراها للاضحية وعدم جوازه. قال الشامى: ثم ظاهر كلامه ان الواجبة على الفقير الشراء له الاكل منها وذكر ابو السعود ان شراءه لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها اه

اقول: التعليل بانها بمنزلة النذر مصرح به فى كلامهم ومفاده ما ذكر۔ وفى التاتارخانية: سئل القاضى بديع الدين عن الفقير اذا اشترى شاة لها هل يحل له الأكل قال نعم وقال القاضى برهان الدين: لا يحل اهـ

ثم اعلم ان هذا كله فيما اذا ذبحها فى ايام النحر بدليل ما قدمناه عن الخانية انه اذا اوجب شاة بعينها او اشتراها ليضحى بها فمضت ايام النحر تصدق بها حية ولا ياكل منها لانتقال الواجب من الاراقة الى التصدق وان لم يوجب ولم يشتر وهو موسر تصدق بالقيمة اه وقدمنا ان مفاد كلامهم ان الغنى له الاكل من المنذورة ←

عـه قال الشيخ العلامة سيدى حكيم الامة ان الراجح فى شراء الفقير بنية الاضحية رواية النوادر عندى لأنهم عللوا ظاهر الرواية لما سيأتى ان شراءه لها يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية عرفًا فظهر أن بناءه على العرف فيمكن ان يكون الايجاب متعارفا فى عصرهم واما فى زماننا فليس الايجاب متعارفا فى شراء الفقير اصلًا بل المتعارف نية التطوع ولا يخطر معنى النذر بشراءه فى بال أحدٍ هذا والله اعلم۔ قلت ومقتضى ذلك جواز اكل الفقير من اضحيته ۱۲ ظ

حاشيه :

اذا قصد بنذره الاخبار عن الواجب - والمراد بالنذر فى كلام الزيلعى هنا

النذر ابتداء اهـ (ج ۵ - ص ۳۲۰)

قلت : ولما جاز به ذلك فى المنذورة بقصد الاخبار عن الواجب

عليه فلان يجوز به في ذلك فى المشتراة بنية الأضحية الواجبة عليه

اولى فالقول بعدم جواز الاكل للغنى من المشتراة بنية الواجب وهل ذلك

نذرا و ايجاب الآخر عليه باطل لا اصل له.

قال الشامى : والحاصل ان التى لا يوكل منها هى المنذورة ابتداءً والتى وجب

التصدق بعينها بعد أيام النحر والتى ضحّى بها عن الميت بأمره على المختار كما قدمناه

عن البزازية. والواجبة على الفقير بالشراء على احد القولين المارين والذى ولدته

الاضحية كما قدمناه عن الخانية - المشتركة بين سبعة نوى بعضهم بحصة

القضاء عن الماضى كما قدمناه آنفا عن الخانيةعـه أيضًا . فهٰذه كلها سبيلها التصدق

على الفقير، فاغتنم هٰذا التحرير ج ۵ - ص ۳۲۰

قلت : فهٰذه كما ترى لم يذكر فيها ما اشتراه الغنى لاضحية او عيّنه لها بل صرح

بقيد الفقير فى الواجبة بالشراء و بقيد الابتداء فى المنذوره فاتضح الحق بلا امتراء

واجلى الفرق طلوع ذكاء فى كبد السماء - هذا والله سبحانه وتعالى اعلم .

حرّره العبد الفقير الى لطف ربه الصمد عبده

المذنب ظفر احمد المقيم بالخانقاه الامداديه

بتهانه بهون - ۲۳ ذى الحجة ۱۳۴۲ھ

عـه قلت : ذكره تحت الدر ولو كان شريك الستة نصرانياً او مريد اللحم لم يجز عن واحد اهـ

بما نصه وشمل ما لو كان احدهم مريد الاضحية عن عامه واصحابه عن الماضى تجوز الاضحية

عنه و نية اصحابه باطلة وصاروا متطوعين وعليهم التصدق بلحمها وعلى الواحد أيضا لان

نصيبه شائع كما فى الخانية وظاهره عدم جواز الاكل منها اهـ (ج ۵ ص ۳۱۹)

قلت و ظهر منه ان الاضحية اذا فاتت لا يمكن قضاءها بذبح شاة أو أخذ حصته من البدنة

فى العام القابل وهذا وافقته الفتوى . قد سئلت منه فاجبت بان قضاء الاضحية لا

يمكن الا بتصدق القيمة دون اراقة الدم . ولله الحمد على ما علم و فهّم ۱۲

ظ

مرغی یا کسی بڑے جانور کا سر بندوق یا ریل وغیرہ سے کٹ جائے اور محلِ ذبح باقی ہو اور جانور میں آثارِ حیات بھی ہوں تو اس کو ذبح کر کے کھانا حلال ہے یا نہیں ؟

السوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرغی کی فقط سری بلی نے کاٹ لی تھی یا کسی تیتر وغیرہ پرندہ کی فقط سری بندوق یا تیر سے جدا ہوگئی یا کسی بڑے جانور مثلاً گائے، بکری وغیرہ کی سری ریل کے نیچے آکر کٹ کر جدا ہوگئی یا فقط ہر چار رگیں جو کہ ذبح میں کاٹنی ضروری ہیں، کٹ گئیں لیکن سری جدا نہیں ہوئی اور ان ہر صورتوں میں گردن بہت سی بچی ہوئی موجود ہے اور جانور تڑپ رہا ہے تو چونکہ ذبح کا محل عقدہ سے نحر تک لکھتے ہیں پس تحریر سے ذبح کر کے کھایا جاوے تو جائز ہے یا نہیں۔ بعض کتب میں یہ منقول ہے کہ چونکہ سری جدا ہوگئی اور رگیں کٹ گئیں تو اب محلِ ذبح نہیں رہا اس لئے ذبح کر کے کھانا جائز نہیں ہے اور یہ بھی محل ذبح کے نہ رہنے کی علت لکھتے ہیں کہ چونکہ اب ان رگوں کے کٹ جانے سے یقین ہے کہ زندہ نہیں رہ سکتا اس لیے جائز نہیں ہے۔ فقط

الجواب

نصف راس یا اکثر رأس کے قطع ہو جانے کے بعد جانور محلِ ذبح نہیں رہا۔ اور کل رأس منقطع ہو جائے تو بدرجۂ اولیٰ محلِ ذبح نہیں رہے گا۔

قال فی الدر المختار فی تفسیر قوله صلی اللہ علیہ وسلم ما ابین من الحی فهو میت وبه یعلم انه لو ابان الرأس کلا لانه لیس منفصلاً من حیّ حقیقة وحکماً بل حقیقة فقط لانه عند الانفصال میتٌ حکماً (ج ۵ ص ۳۰۲)

او قطع نصف رأسه أو اکثره أو قدر نصفین اکل کله لأن فی هٰذه الصور لا یمکن حیاته فوق حیاة مذبوح اھ

قال الشامی: وهٰذا حیّ صورة لا حکماً إذ لا یتوهم بقاء الحیاة بعد هٰذا الجرح اھ

ان عبارات سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس جانور کا سر جدا ہو جائے وہ حکماً میت ہے اسی لئے قابل ذبح نہیں رہا۔

نعم: یشکل علیه قول الدر المختار وسیجئ انه یکفی من الحیاة قدر ما

یبقی فی المذبوح اھ (ج ۵ ص ۲۸۸)

وقولہ: والمعتبر فی المتردیۃ واخواتہا کالنطیحۃ والموقوذۃ وما اکل السبع والمریضۃ مطلق الحیاۃ کما اشرنا الیہ۔ وعلیہ الفتویٰ اھ (ص ۴۶۶)

مع قولہما ان ذکاۃ الاختیار ذبح بین الحلق واللبۃ وذکاۃ الضرورۃ جرح فی ای موضع وقع کذا فی الدر۔ (ج ۵۔ص ۲۸۶)

ان عباراتِ اخیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ المتردیہ والنطیحہ وامثالہا میں مطلق حیات صحتِ ذبح کے لئے کافی ہے۔ اور صورتِ مسئولہ میں اضطراب اور تڑپنا مطلق حیات کی علامت ضرور ہے۔ اور محلِ ذبح ما بین الحلق واللبہ ہے تو اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ اگر موضع ما بین اللبہ والحلق میں سے دو تین انگل باقی ہو جو ذبح کے قابل ہو اور جانور تڑپ بھی رہا ہو تو اس کو ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، گو سر علیحدہ ہو گیا ہو۔ اور عباراتِ سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انفصالِ سر کے بعد جانور بحکم میت ہے۔ اسی لیے مجھ کو اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر ۱۳۴۲ھ

التنقید علی الجواب المذکور من علماءِ مدرسۃ سہارنپور

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ پہلی روایت جو جوابِ اول میں نقل کی گئی ہے وہ مذبوح کے بارے میں ہے اس لیے کہ حدیث ما ابین من الحیّ فھو میتۃ میں اطلاق حی اس امر کو مقتضی ہے کہ منفصل من الحی الحقیقی والحکمی میت ہوتا ہے۔ پس جو منفصل من الحقیقی ہو اور منفصل من الحی الحکمی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ذبح کرتے وقت اگر سر جدا ہو جائے تو جانور اس وقت اگرچہ حقیقۃً زندہ ہوتا ہے مگر ذبح کی وجہ سے حکماً وہ زندہ شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ میت بمعنی مذبوح شمار ہوتا ہے۔ اس لیے اس سر کا کھانا شرعاً جائز ہوتا ہے جیسا کہ روایت وبہ یعلم انہ لو ابان الرأس اکلاً لانہ لیس منفصلاً من حیّ حقیقۃ وحکماً الخ سے واضح ہوتا ہے۔

تحریر مندرجہ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عبارتِ مذکور خاص مذبوح کے بارہ میں

ہے، عام نہیں۔ یعنی ہر جانور جس کا سر جدا ہو جائے خواہ وہ کسی وجہ سے اور اس جانور کو حکماً میت کہا جاوے کہ جس کی وجہ سے اس کا ذبح کرنا جائز ہو یہ صحیح نہ ہوگا۔ اور دوسری روایت یعنی اذا قطع نصف رأسہ أو اکثرہ اور قددہ نصفین اکل کلہ الخ یہ ذکوٰۃ اضطراری کے بیان میں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تیر پھینکنے والے نے تیر کے ذریعہ نصف سر یا اکثر سر کاٹ دیا تو اس کے بعد ان دونوں حصوں کا کھانا جائز ہوگا بغیر ذبح کے، اس لیے کہ تیر سے زخم کر دینا ہی صید کے لیے شرعاً ذکوٰۃ قرار دی گئی ہے۔ پس جیسا کہ ذبح میں سر الگ ہو جانے کے بعد وہ جانور حکماً میت ہو جاتا ہے ایسا ہی یہاں پر بھی قطع نصف رأس یا اکثر رأس کے بعد وہ جانور حکماً مست شمار ہوگا۔ تو یہاں پر سر منفصل من الحی الحکمی نہ ہوا۔ اگرچہ منفصل من الحی الحقیقی ہوگا۔ اور جب تک وہ منفصل من الحی الحقیقی والحکمی نہ ہو اس وقت تک بمقتضی حدیث ما ابین من الحی الخ حرام نہ ہوگا۔ بلکہ حلال ہی رہے گا۔ تو ان دونوں عبارتوں میں میت سے مراد مطلقاً حی کا مقابل نہیں بلکہ حی حکمی کا مقابل مراد ہے تو اس وقت صید میں ذبح کی ضرورت نہ رہے گی اور بغیر ذبح کے اس کا کھانا جائز ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ ذبح جائز ہی نہیں، کیونکہ ذبح کی تو ان دونوں صورتوں میں ضرورت ہی نہیں بلکہ ذبح متحقق ہو گئی اور وہ مردار ہو گیا اس کا کھانا اب جائز نہیں ہوگا۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر محل کسی جانور کا باقی ہو خواہ سر اس کا بندوق کے ذریعہ الگ ہو گیا ہو یا ریل کے نیچے آکر یا بلی وغیرہ نے توڑ لیا ہو تو اس کو حلال کر کے کھانا جائز ہے۔ البتہ جو حصہ سر کا الگ ہو گیا ہے وہ حصہ حرام ہوگا کیونکہ منفصل من الحی الحقیقی ہے۔

فی الدر المختار: وان علمت حیاتہا وان قلت وقت الذبح اکلت مطلقاً لکل حال۔ انتہی۔

وفی الشامی: تحت قولہ "وان کانت حیاتہا خفیفۃ۔ عن البزازیۃ: شاۃ قطع الذئب او وھی حیۃ لاتزکی لفوات المحل ولو انتزع رأسہا وھی حیۃ تحل بالذبح بین اللبب واللحیین انتہی۔

راقم ضیاء احمد عفی عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

الجواب صحیح۔ عبد اللطیف عفا اللہ عنہ۔
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب صحیح۔ خلیل احمد عفی عنہ
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم

عقیقہ کے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ ایک ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں

السؤال : عقیقہ میں بیل، بکری وغیرہ مایکفی للواحد چند بچوں کے لیے بھی کافی ہوسکتا ہے ؟

الف : خواہ بچے ایک ہی دن میں سب پیدا ہوئے ہوں یا آگے پیچھے، مگر سنیچر یا اتوار مثلاً روز کے حساب سے سب برابر ہوں ۔

ب : یہ بچے ایک ہی شخص کے ہوں یا دو، تین اشخاص کے

الجواب

بکری میں تو ایک بچہ سے زائد کا عقیقہ نہیں ہوسکتا اور گائے بیل میں سات بچوں تک کا ہوسکتا ہے خواہ سب ایک ہی شخص کے ہوں یا مختلف لوگوں کے اور ساتھ پیدا ہوتے ہوں یا آگے پیچھے۔ کیونکہ تاریخ کا لحاظ مستحب ہے ضروری نہیں ۔

والدلیل ما فی الحامدیۃ: ولایکون فیہ دون الجذع من الضأن والثنی من المعز ولایکون فیہ الا السلیمۃ من العیوب لانہ اراقۃ دم شرعاً کالاضحیۃ الی أن قال واحکامہا احکام الاضحیۃ اھ ج ۲ ۔ ص ۲۱۲ ۔ ۲۱۳

وقال الشامی: فی مسئلۃ الاشتراک فی الاضحیۃ عند اختلاف الجھۃ و شمل مالوکانت القربۃ واجبۃ علی الکل او البعض اتفقت جہاتہا اولا کالاضحیۃ و احصار وجزاء صید وحلق ومتعۃ وقران لان المقصود من الکل القربۃ خلافاً لزفر وکذا لو اراد بعضھم العقیقۃ عن ولدہ قد ولد لہ قبل ذلک لأن جھۃ التقرب بالشکر علی نعمۃ الولد ذکرہ محمد۔ ج ۵ ۔ ص ۳۱۹

قلت ولما جاز الاشتراک بالعقیقۃ فی بقرۃ الاضحیۃ فجواز اشتراک السبعۃ فی بقرۃ العقیقۃ أولی لاتحاد الجھۃ ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون

۲۷ ، صفر ۱۳۴۵ھ

تخفیفِ ایذا کے لئے جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کرنا

السوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ غیر قوموں کو مسلمانوں پر ایک

بڑا اعتراض گاؤ کشی، نیز دیگر حلال جانوروں کے متعلق ہے کہ اس کے ذبح میں بلاوجہ ایک جاندار کی ایذاء اور تکلیف ہوتی ہے، جو انسانی اخلاق کے خلاف ہے تو کیا اگر اس کے دفعیہ کے لیے اگر کوئی صورت نکالیں اور جانوروں کو کسی دوا وغیرہ سے بیہوش کر کے ذبح کریں تو آیا جانور کو کسی بے ہوشی لانے والی دوا سے بیہوش کرنا اور بیہوشی کی حالت میں ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا نہیں، مدلّل جواب باصواب تحریر کریں فقط والسلام

احقر ابراہیم ابن یوسف سوجھ بکس ۱۲۳
رنگون

الجواب

غیر قوموں کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ تجربہ اور اقوال اطباء اس پر شاہد ہیں کہ ذبح میں جانور کو بنسبت جان کنی بدون ذبح کے بہت کم تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر قوم ذرا ذرا سی بات پر انسان کے قتل سے تو رو کتے نہیں اور جانور پر اتنا رحم! یہ کونسا قاعدہ ہے۔ پس مخالفین کے اعتراض سے متاثر ہونا اور اس سے متاثر ہو کر جانور کو ذبح سے پہلے بیہوش کرنا جائز نہیں۔ یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ جانور کو دوا سونگھا کر بیہوش کیا جائے اور اگر کھانے پینے کی دوا دے کر بیہوش کیا جاوے تو اس میں دو گناہ ہیں۔ ایک تأثر من اعتراض المخالفین کا گناہ، دوسرے جانور کو مسکر و مضر کے کھلانے پلانے کا گناہ۔

قال فی الدر: وحرم الانتفاع بھا ولو سقی بھا دواب الی ان قال ویحرم اکل البنج والحشیشۃ والافیون اھ ای القدر المسکر منھا۔
(ج ۵۔ ص ۴۵۳)

اور اگر بیہوش کر کے کسی نے ذبح کر دیا تو ذبیحہ حلال ہوگا جبکہ شرائطِ ذبح بتمامہا موجود ہوں مگر کراہت سے خالی نہیں اور اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا۔ لیکن ایسے بیہوش کردہ گائے یا بکری وغیرہ ذبح کرنے سے قربانی کے ادا اور صحیح ہونے میں تامل ہے۔

قال فی الدر: ویضحی بالجماء والخصی والثولاء ای المجنونۃ اذا لم یمنعھا من السوم والرعی وان منعھا لا اھ

قال الشامی: الثول بالتحریک استرخاء فی اعضاء الشاۃ خاصۃ أو کالجنون

یصیبھا فلا تبتع الغنم وتستدیں فی مرتعھا اھ (ج ۵ - ص ۳۱۵)

ولاشك ان الحیوان اذاغشی علیه یمتنع من السوم والرعی وایضًا ینتقص ثمنه فی ھٰذہ الحالة حتمًا لا یقال ان ھٰذا العیب بمقدمات الذبح لانا نقول بل ھو تعییب فکان کما اذا فقأعینه اوکسر رجله قبل الذبح عمدًا۔

قال فی الدر: ولایضر تعیبھا من اضطرابھا عند الذبح اھ

قال الشامی: وکذا لو تعیبت فی ھٰذہ الحالة وانفلتت ثم اخذت من فورھا وکذا بعد فورھا عند محمد خلافا لابی یوسف لانه حصل بمقدمات الذبح زیلعی (ج ۵ - ص ۳۱۸)

قلت: واما لو عیبھا احدٌ عمدًا من دون اضطرابھا او انفلاتھا فالظاھر عدم الاجزاء عندھما جمیعًا نعم بقی ان جعلھا مغشیًا علیھا عیب کالثول ام ھو دونه اولیس بعیب اصلًا۔ فلیتأمل،

قلت: ولعل فی ذلك ایذاء للحیوان بازید مما یحتاج الیه فی الذبح فکان کجرّہ برجله الی المذبح ونحوہ فان التغشیة تورث انضغاطًا و انقباضًا فی الروح شبیھًا بالنزع کما شاھدہ کثیر من الناس وقدکرہ الشارع ایذاء الحیوان قبل الذبح بازید مما یحتاج الیه فیه۔ واللہ اعلم وعلمه اتم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنه

از تھانه بھون، خانقاہ امدادیه

۲۸، جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ

قربانی کی نیت سے بکری چھوڑ رکھی تھی وہ حاملہ ہوگئی تو اس کی قربانی میں کوئی قباحت نہیں	السوال: عرض یہ ہے کہ ایک بکری اپنی خوشی سے اس نیت سے چھوڑ رکھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام قربان کردوں گا وہ گابھن ہوگئی اور غالبًا

بقرعید سے ایک دو روز پہلے یا اسی روز بیائیگی اس کی قربانی میں بوجہ بچہ کے قباحت تو نہیں اور بچہ بھی قربانی کردیا جائے یا نہیں۔ جو شرعًا حکم ہو جلد جواب سے مشرف فرماویں چونکہ بقرعید آگئی ہے۔ فقط

الجواب

اگر یہ شخص غنی صاحبِ نصاب ہے تو اس بکری کی جگہ دوسری کر سکتا ہے۔ اگر صاحبِ نصاب نہیں تو اس کی قربانی واجب نہیں اور حاملہ کی قربانی میں کچھ حرج نہیں۔ اگر ساتھ بچہ زندہ نکل آئے تو اس کو بھی ساتھ میں قربانی کر دینا چاہئے غنی اور فقیر میں یہ فرق جب ہے کہ بکری اسی نیت سے خرید کر چھوڑی ہو اور اگر خریدی نہیں بلکہ گھر میں پیدا ہوئی تھی یا کسی اور طرح مل گئی تھی، یا خریدی ہے مگر نیت بعد میں ہوئی ہے تو پھر فقیر کا بھی وہی حکم ہے جو غنی کا مذکور ہوا ہے۔

قال الشامی تحت قولہ (شراھا لھا) فلو کانت فی ملکہ فنوی ان یضحی بھا او اشتراھا ولم ینو الاضحیۃ وقت الشراء ثم نوی بعد ذلک لایجب لأن النیۃ لم تقارن الشراء فلاتعتبر (بدائع)

وقال الشامی: تحت قولہ (قبل الذبح) فان خرج من بطنھا حیًا فالعامۃ علی انہ یفعل بہ ما یفعل بالام الخ (ج ۵ ص۳۱۳ و ص۳۱۵) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ر ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

دوسرے کی طرف سے بغیر اجازت قربانی کرنے کا حکم

السوال: قربانی میری طرف سے ہمیشہ بھتیجے ہی کر دیتے ہیں اور بعد دریافت کرنے کے معلوم ہوتا ہے کہ میری طرف سے بھی کر دی ہے۔ مگر قربانی کرنے سے پہلے مجھے نہیں کہتے کہ میں تمہاری طرف سے قربانی کروں گا اور مجھ سے عیدگاہ سے واپس آنے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے، میں اگر موجود ہوں تو شاید وہ مجھ سے دریافت بھی کرلیں۔ تو آیا یہ قربانی میری طرف سے ان کا کر دینا درست ہو جاتا ہے یا نہیں اور شبہ کی وجہ سے کبھی کبھی میں از خود بھی کر دیتا ہوں۔ اگر ان کا کرنا میری طرف سے کفایت نہ کرے گا تو میں خود ہی اپنی طرف سے قربانی کروں گا۔ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ مگر اب میں اس شبہ کو رفع کرنا چاہتا ہوں کہ صاف طور پر معلوم ہو جاوے تاکہ اس کے موافق عمل کروں اور اگر ادا نہیں ہوا تو پھر کس طرح ادا کیا جائے کیا صورت ادائیگی کی اب ممکن ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ درصورت عدم ادائیگی

کُل سالوں کا حساب لگا کر اکٹھے ادا کردوں تاکہ مؤاخذۂ اخروی سے سبکدوش ہوجاؤں اَللّٰھُمَّ سَہِّل عَلَینَا۔ میری اہلیہ کیطرف سے بھی کبھی کبھی میرے بھتیجے ہی قربانی کر دیتے ہیں تو ان کی جانب سے میرے بھتیجے کا قربانی کرنا درست ہوجاتا ہے یا نہیں ؟

خادم عبدالرحمٰن

الجواب

فی العالمگیریہ : ج ۶ - ص ۲۰۲ - اذا ضحّی بشاۃ من غیرہ بامر ذٰلک الغیر او بغیر امرہ لا تجوز لانہ لا یمکن تجویز التضحیۃ عن الغیر الا باثبات الملک لذلک الغیر فی الشاۃ ولن یثبت الملک لہ فی الشاۃ الا بالقبض ولم یوجد قبض الامر ھٰہنا الا بنفسہ ولا بنائبہ کذا فی الذخیرۃ وفیہ أیضًا بعد أسطر ولو ضحّی بدنۃ عن نفسہ وعرسہ واولادہ لیس ھذا فی ظاھر الروایۃ۔ وقال الحسن بن زیاد فی کتاب الاضحیۃ ان کان اولادہ صغارًا جاز عنہ وعنھم جمیعًا فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وان کانوا کبارًا ان فعل بامرھم جاز عن الکل فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ۔ وان فعل بغیر امرھم وبغیر امر بعضھم لا تجوز عنہ ولا عنھم فی قولھم جمیعًا لان نصیب من لم یأمر صار لحمًا۔

ان روایات سے معلوم ہوگیا کہ بھتیجوں نے چچا کی طرف سے جو قربانی کی ہے وہ اکثر ائمہ کے نزدیک درست نہیں ہوئی ان کو چچا سے اجازت لینا ضروری تھا۔ پس اگر چچا کی طرف سے بکری وغیرہ کی قربانی کی گئی تھی تو وہ ادا نہیں ہوئی اور چچا کے ذمہ قضاء ہے۔ اور اگر گائے وغیرہ میں چچا کا حصہ شامل کر کے قربانی کی تھی تو اس پوری گائے وغیرہ کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔ چچا کے ذمہ قربانی کی قضاء واجب ہے۔ جو اس گائے وغیرہ میں شریک تھے ان پر بھی قضا واجب ہے مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے استحساناً مروی ہے کہ اہل قرابت کی طرف سے بدونِ امر کے بھی قربانی درست ہے چونکہ صورتِ مذکورہ میں اکثر ائمہ کے قول پر فتوی دینے میں حرج شدید ہے کہ چچا کے ساتھ دوسروں کی قربانی بھی باطل ہوجاتی ہے اس لئے ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت پر فتوی دیا جاتا ہے کہ گذشتہ قربانی تو سب کی طرف سے ادا ہوگئی مگر آئندہ ایسا نہ کرنا چاہئے ،

بلکہ چچا کو وقتِ اضحیہ سے پہلے ان کو اجازت دینا یا ان کو اجازت حاصل کر لینا چاہئے۔

اور قضاء کی صورت یہ ہے کہ ایک ایسی بکری کی قیمت خیرات کر دی جاوے جس کی قربانی جائز ہو۔

کما فی الدر: (و) تصدق (بقیمتها غنی شراها اولا) لتعلقها بذمته شراها اولا فالمراد بالقیمة قیمة شاة تجزی فیها اھ (ج ۵۔ ص ۳۱۴)

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۳۔ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

میت کی طرف سے قربانی کرنے کا طریقہ

السوال: پانچ آدمی بقیدِ حیات ایک گائے کی قربانی میں شریک ہوتے ہیں اور دو شخص اپنے باپ، دادا کی طرف سے شرکت حاصل کرتے ہیں تو کیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں یعنی زندہ مردہ میں شریک ہو کر قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی میں کوئی حصہ دار اپنا حصّہ مردہ کی طرف سے کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ نیت تو اپنی طرف سے قربانی کی کرے اور ثواب مردہ کو بخش دے، اس صورت کے سوا دوسری صورتوں کی رعایت عوام سے دشوار ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

عقیقہ میں بکروں کی بجائے گائے میں حصہ لے لینے سے سنّتِ عقیقہ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

السوال: عقیقہ میں دو بکریوں کے بدلہ میں اگر گائے دیدی جاوے تو عقیقہ سنت طریقہ پر ادا ہو جاویگا یا نہیں؟

الجواب

عقیقہ میں بجائے بکریوں یا بکروں کے گائے کرنے یا گائے میں حصّہ لینے سے بھی

سنتِ عقیقہ ادا ہوجاوے گی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ

عقیقہ سے متعلق چند سوالات

السوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے دو لڑکے، چار لڑکیاں قضا کرگئیں اور وہ عورت عقیقہ کے مسئلہ سے واقف نہ تھی ناواقفیت کی وجہ سے آج تک عقیقہ نہیں کیا اور اب وہ چاہتی ہے کہ ان سب مُردوں کے نام ایک ایک گائے عقیقہ کرے کیا اس طرح عقیقہ ادا ہوجاویگا یا نہیں اگر نہیں تو وہ کس طرح کرے؟

الجواب

مُردوں کی طرف سے عقیقہ کی دلیل نہیں ملی ہاں ہر ایک کی طرف سے بہ نیتِ قربانی اگر ایک بکری یا گائے کا ایک حصہ کردے تو جائز ہے اور جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی طرف سے اضحیہ قائم مقام عقیقہ کے ہوجاتا ہے

السؤال ۲ : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کے چار پانچ لڑکے لڑکیاں زندہ ہیں اور سب کا عقیقہ باقی ہے وہ بھی ایک ہی گائے کرسکتا ہے یا نہیں یا کس طرح کرے؟

الجواب : ایک گائے میں سات بچوں تک کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔

السؤال ۳ : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے چند لڑکے اور لڑکیاں زندہ بھی اور مُردہ بھی ہیں۔ ایک ہی ساتھ سب کا اگر عقیقہ کرنا چاہے۔ یا ایک گائے میں سب کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب : زندہ کا ہوسکتا ہے مگر مردہ کی طرف سے اضحیہ کی نیت سے کرے

قال فی رد المحتار فی باب الاضحیۃ قد علم ان الشرط قصد القربۃ من الکل وشمل مالو کان احدھم مریدًا للاضحیۃ عن عامہ واصحابہ عن الماضی تجوز الاضحیۃ عنہ ونیۃ اصحابہ باطلۃ وصاروا متطوعین وعلیھم

التصدق بلحمها وعلى الواحد أيضاً لأن نصيبه شائع كما فى الخانية وشمل ما لو كانت القربة واجبة على الكل اوالبعض اتفقت جهاتها أولاً وكذا لو اراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد من قبل لان ذلك جهة التقرب بالشكر كان كالاضحية وقد جازت الاضحية عن الميت فكذا العقيقة لان الفقهاء قاسوها عليها فى أكثر الاحكام۔ قال الحافظ[ع] فى الفتح واستدل باطلاق الشاة والشاتين على انه لا يشترط فى العقيقة ما يشترط فى الاضحية وفيه وجهان للشافعية واصحهما يشترط وهو بالقياس لا بالخبر ۱۲ اھ

ثم اختلفوا فى أنه هل يجوز فى العقيقة البقر والابل ام لا فذهب ابو الشيخ إلى تعيين الشاة لها وقال البندنيجي من الشافعية لا نص للشافعى فى ذلك و عندى انه لا يجزى غيرها۔

قال الحافظ: والجمهور على اجزاء الابل والبقر أيضاً وفيه حديث عند الطبرانى وابى الشيخ عن انس رفعه، يعق عنه من الابل والبقر والغنم ونص احمد على اشتراط كاملة وذكر الرافعى بحثا انها تتادى بالسبع كما فى الاضحية والله اعلم اھ من الفتح (ج-۹-ص ۵۱۲)

قلتُ: وبه قال اصحابنا كما ترى فى كلام الشامى من جواز اشتراك ذ العقيقة مع اصحاب الاضحية فى بقرة واحدة فقاسوها على الاضحية وقد صحت الاضحية عن الميت فكذا العقيقة ولكن الاحوط ان ينوى عن الصغير الميت الاضحية فانها تقوم مقام العقيقة ايضاً۔ قال الحافظ فى الفتح وعند عبد الرزاق عن معمر عن قتادة من لم يعق عنه اجزأته اضحية وعند ابن ابى شيبة عن محمد بن سيرين والحسن يجزى عن الغلام الاضحية من العقيقة اھ (ج ۹- ص ۵۱۴)

وقال فى رد المحتار: تحت قول الدر وان مات احد السبعة و قال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل ما نصه لان الموت لا يمنع التقرب

ع اى الحافظ ابن حجر فى فتح البارى ۱۲ منه

عن الميت بدليل انه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وعلى هذا اذا كان احدهم ام ولد ضحى عنها مولاها او صغيرًا ضحى عنه أبوه اه
(ج ۵ ـ ص ۳۱۸)

قلت: جواز الاضحية عن الصغير الميت يستدعی جواز العقيقة عنه بالاولى لعدم ورود الامر بالاضحية عنه وقد ورد بالعقيقة وانه مرتهن بعقيقته واخرج ابن حزم عن بريدة الاسلمی (الصحابی) قال ان الناس يعرضون يوم القيامة على العقيقة كما يعرضون على الصلوات الخمس ذكره الحافظ فی الفتح اه (ج ۹ ـ ص ۵۱۳) والله تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الاول ۱۳۴۴ھ

میّت کی طرف سے قربانی کرنا السوال: وقت قربانی گائے ایک حصّہ رسولِ خدا، ایک حصہ کسی عزیز متوفی، بقیہ حصہ اشخاصِ موجودہ کے ہوں تو یہ سب گوشت ہر حصہ کا مثل قربانی تقسیم ہوگا یا کیا۔

الجواب

اگر متوفی نے وصیت کی تھی تو قربانی میں اس کا حصہ فقراء کو دیا جائے۔ اس میں سے خود کھانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر متوفی نے وصیت نہیں کی تھی تو اپنی قربانی کی طرح اختیار ہے

کما فی الشامی (ج ۵ ص ۳۲۸) لو ضحّی عن المیّت وارثه بامره الزمه بالتصدق بها وعدم الاکل وان تبرّع بها عنه له الاکل لانه يقع على ملك الذابح والثواب للميت اه والله اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲/ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ

امنية الهالك فی أضحية مالك السوال: قربانی گاؤ پر ہندوستان میں جو فسادات ہوتے ہیں ان پر نظر کر کے ایک ندوی مولوی نے اخبارات میں

ایک مضمون شائع کیا ہے جو رسالِ خدمت ہے اس کو ملاحظہ فرماکر مطلع فرمایا جائے کہ آیا یہ مضمون صحیح ہے یا غلط اور اس پر مسلمانوں کو عمل جائز ہے یا نہیں ۔

وھو ھٰذا :

قربانی کے متعلق ایک ضروری مسئلہ

کس درجہ حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ ایک پاکیزہ تر رسم جس کی بنیاد محبت واخلاص پر رکھی گئی ہو (خدا تعالیٰ کی محبت پر یا باہمی کفار کی محبت پر) ہمارے دیس میں اب اس کی آمد کا انتظار جنگ وفساد اور قتل وخونریزی کے تخیل کے ساتھ کیا جاتا ہے جن مبارک دنوں میں ہم سب کو ابراہیم خلیل اللہ کی سنت کے مطابق ہمہ تن اپنے آپ کو عاجزی اور بیچارگی کی تصویر بنناچاہیئے خالق کے سامنے یا مخلوق کے سامنے خود ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کے ساتھ اور قوم کے ساتھ توحید کے باب میں جو مخالفت کی ہے منصوصِ قرآنی ہے کہ نوبت القاء فی النار تک پہنچی ۔ جن دنوں ہمارے دلوں میں صرف اس بے نیاز مالک کی بارگاہ پر مٹ جانے کی تڑپ ہونی چاہیئے جن دنوں ہمارے دلوں کی توجہ کو اُن جانے والوں کی سمت مصروف ہونی چاہیئے جو نیکی اور محبت کا احرام باندھ کر خدا کے گھر کا طواف کرنے گئے ہیں افسوس ہے کہ ٹھیک اُن ہی دنوں میں کچھ زمانہ سے ہم سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں، امن مفقود ہوجاتا ہے ، محبت کی جگہ دشمنی آجاتی ہے ، حکمت و محبت یا سربکف جذبات مٹ کر عداوت اور انتقام کے ملت کُش جذبات اُبھرتے ہیں ۔ اس کے ذمہ دار مسلمان ہیں یا کفار ؟

اور صحیح ہے کہ اس معاملہ میں تنہا ہماری نادانیاں شامل نہیں ہیں بلکہ ہمارے پڑوسی اور ہمسایہ بھی اپنی غلط اندیشیوں سے کچھ فضا کو خراب کر دیتے ہیں ۔ لیکن ہمارا

ہمہ اور اس وصف کا بنسبت قربانی کے خود اسلام زیادہ مستحق ہے ۔ پھر اگر کسی کا اسلام لانا کسی کو ناگوار ہو اور وہ محتمل ہو فتنہ وفساد کو چنانچہ اب بھی اس کا وقوع ہوتا ہے ۔ اس میں جاری کیا جاوے گا ۔ اگر کہا جاوے کہ اسلام کا تو کوئی بدل نہیں تو جواب یہ ہے کہ اسلام کا تو بدل ہے ، اخفاء اسلام تو کیا اس کا مشورہ دیا جائے گا ۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ایک اسلامی فرقہ مرجیہ بھی ہے جو اعمال کو چنداں ضروری بھی نہیں کہتے اور اظہار اسلام صرف ایک عمل ہے ۱۲

فرض دوسروں کی نادانیاں اور غلط راستہ اختیار کرنے کی وجہ سے یہ نہیں ہو جاتا کہ ہم بھی ان کی طرح نادانیوں کا ایک ڈھیر جمع کر دیں۔ کم سے کم ہمیں اپنی نادانیاں کم ضرور کرنی چاہئیں گو دین بھی کم ہو جائے۔

ہماری ذمہ داری جس قدر کم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ قربانی کے بارے میں یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ اسلامی شریعت میں گائے کی قربانی روا رکھی ہے کوئی شخص اس کے خلاف حکم شرعی صادر نہیں کر سکتا اور نہ اس اجازت کو باطل ٹھہرا سکتا ہے لیکن شرعی اختیار کی رُو سے ہم گائے، بکری، اونٹ میں سے کسی ایک کا اپنے مناسب حال انتخاب کر سکتے ہیں فقہ کی تمام کتابوں میں تصریح کے ساتھ بکری کی قربانی کو گائے اور بیل کی قربانی پر افضل بتایا گیا ہے۔ سو اگر ہمیں استطاعت ہے تو پھر ہم افضل کو کیوں چھوڑیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ اقتصادی حیثیت سے گائے کی قربانی میں زیادہ آسانیاں ہیں تو اس کے متعلق کم از کم ایک سہولت کو جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے بیان میں پائی جاتی ہے اُسے کیوں نہ اختیار کیا جائے کہ عموماً ایک ہی گھر میں کئی زندہ اور مردہ اشخاص کی طرف سے قربانیاں کی جاتی ہیں اور اس کے لئے ایک ہی گائے میں مختلف شرکاء کا حصہ لگاتے ہیں یہ صورت بکری میں بھی ممکن ہے اور اس شرکت کے لئے سات کی کوئی قید نہیں بلکہ ایک گھر کے تمام آدمیوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی ممکن ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مسلک کی پیروی کرنے والے بھی اگر اقتصادی اسباب کی بنیاد پر اس شکل کو اختیار کریں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ بلبیسیوں مسائل میں حالات کی نزاکت اور موقع کی ضرورت کے لحاظ سے دوسرے ائمہ کے اقوال پر بھی عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ کے قول کے علاوہ متعدد صحابہ کے فعل سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔

مزید تصریح یہ وہ تحریر تھی جو مولوی عبدالرحمٰن ندوی مرحوم نے پچھلے سال بقرعید کے موقع پر شائع کی تھی۔ آج اس مسئلہ کے سمجھانے اور بتلانے کی ضرورت پچھلے سال سے کچھ زیادہ ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے جو لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔ صرف اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ سارے گھر کی طرف سے ایک بکری کی قربانی جائز ہونے کا فتویٰ صرف امام مالک ہی کا نہیں بلکہ احادیث صحیحہ اور آثار صحیحہ کی بناء پر عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عام طرز عمل بھی یہی تھا کہ ایک بکری میں پورا گھر شریک ہو جاتا تھا۔ حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت خفیف لفظی تغیر کے ساتھ سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، مؤطا وغیرہ متعدد کتبِ احادیث میں آتی ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے:

كان الرجل يضحّى بالشاة عنه وعن اهل بيته فيا كلون ويطعمون حتى تباهى الناس فصارت كما ترى ۔ الحديث، ترمذى ابواب الاضحية و سنن ابن ماجه ابواب الضحايا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص ایک بکری خود اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کرتا تھا۔ اس میں سے لوگ کھاتے اور کھلاتے رفتہ رفتہ قربانی بھی فخر اور نمائش کی چیز بن گئی۔

كنا نضحّى بالشاة الواحدة، يذبحها الرجل عنه وعن اهل بيته ثم تباهى الناس بعد ذلك فصارت مباهات مؤطا امام محمد

امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرکے اس کو حسن اور صحیح لکھا ہے۔ عام فقہاء حنفیہ جو بکری کی قربانی میں شرکت کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اس حدیث کی صحت کا انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ خود امام محمدؒ اس حدیث کو اپنی کتاب مؤطا میں نقل فرماتے ہیں۔

قال محمد كان الرجل يكون محتاجاً فيذبح الشاة الواحدة يضحّى بها عن نفسه فيا كل ويطعم اهله فاما شاة واحدة يذبح عن اثنين او ثلاثة اضحية فهذه لا يجزى ولا يجوز شاة الا عن الواحد وهو قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ والعامة من فقهائنا ۔

البتہ ان کا فرمانا یہ ہے کہ اس وقت لوگ محتاج تھے اس لیے ایک شخص ایک بکری اپنی طرف سے ذبح کرتا تھا اور اس کو خود کھاتا اور گھر والوں کو کھلاتا تھا لیکن کسی شخص کا ایک بکری، دو یا تین شخصوں کی طرف سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایک بکری صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء حنفیہ کا ہے۔ لیکن جیسا کہ خود مؤطا کے ہی بعض شارحین نے لکھ دیا ہے کہ حدیث میں فقر اور محتاجی کا کہیں ذکر نہیں اور حافظ ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں حدیث ترمذی کی بنا پر ایک بکری میں گھر بھر کی شرکت کو جائز رکھا ہے

المستفتی: شیخ عبد العزیز زمیندار
ضلع بارہ بنکی۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

اقول وباللّٰہ التوفیق : قال فی رحمۃ الامۃ : والابل افضل فی الاضحیۃ ثم البقر ثم الغنم وقال مالک الافضل الغنم ثم الابل ثم البقر والبدنۃ تجزی عن السبعۃ وکذلک البقرۃ والشاۃ عن واحدۃ بالاتفاق

وقال اسحٰق بن راھویہ : والبقرۃ عن العشرۃ اھ (ص ۵۹)

وقال ابن رشد المالکی فی مقدمات المدوّنۃ : والضحیۃ واجبۃ علی المقیم والمسافر والذکر والانثٰی والصغیر والکبیر۔ وقد قال مالک یضحّی الوصی عن الیتیم من مالہ ویلزم الاب أن یضحی عن بنیہ الذکور والاناث ما کانت نفقتھم لہ لازمۃ۔ الذکور حتی یحتلموا والاناث حتی یتزوّجن ویدخل بھن ازواجھن والاختیار عند مالک ان یضحی عن کل نفس بشاۃ واحدۃ من جمیع اھل بیتہ اجزاھم اھ (ج ۲۔ ص ۸)

ان عبارات سے چند امور معلوم ہوئے (۱) رحمۃ الامۃ کی عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاۃ بالاتفاق ایک ہی شخص کی طرف سے کافی ہے زائد کی طرف سے کافی نہیں۔ (۲) اور مقدمہ مدوّنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک جمیع اہل بیت کی طرف سے ایک ہی شاۃ کافی ہوسکتی ہے۔ مگر افضل ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ ہر شخص کی طرف سے بکری الگ الگ ذبح کی جاوے۔ (۳) پس امام مالک کے نزدیک بکری کا جملہ اہل بیت کی طرف سے کافی ہونا صحیح طور پر جزماً ثابت نہ ہوا بلکہ ان سے دو روایتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ متفق ہیں کہ ایک شاۃ ایک ہی شخص کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے۔ اور دوسری روایت میں وہ ان سے الگ ہیں پس ایسی صورت میں امام مالکؒ کے اس قول پر کیونکر عمل ہوسکتا ہے۔ (۴) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جمہور امت کے نزدیک اضحیہ میں افضل ابل ہے پھر بقر پھر غنم اور اس میں صرف امام مالک اختلاف کرتے ہیں کہ غنم کو افضل کہتے ہیں مگر حدیث صحیح جو صحیحین میں مذکور ہے : من راح الی الجمعۃ فی الساعۃ الاولیٰ فکانما قرّب بدنۃ ومن راح فی الساعۃ الثانیۃ فکانما قرّب بقرۃ و من راح فی الساعۃ الثالثۃ فکانما قرّب شاۃ الخ جمہور کی مؤید ہے۔ اور امام مالکؒ کے

پاس افضلیتِ غنم کی دلیل صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبشِ اقرن کی قربانی کی ہے اور یہ کہ ابراھیم علیہ السلام کے لئے فدیہ میں جنت سے کبش آیا تھا۔ مگر طحاوی نے بطریق عبد اللہ بن نافع عن ابیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یضحی بالجزور وبالکبش اذا لم یجد جزورًا اھ
(ج ۔ ۲ ص ۳۰۳)

وهو سند حسن وعبد الله بن نافع فيه مقال وقال ابن عدى هو ممن يكتب حديثه وقال ابن ابي مريم عن ابن معين يكتب حديثه وقال ابن المديني كان عندى أحفظهم يعنى ولد نافع ۔ كذا في التهذيب (ج ٦۔ص ۵۳)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبش کو اضحیہ میں اس وقت اختیار فرماتے تھے جب جزور نہ ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جزور افضل ہے اور بقرہ مثل جزور کے ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ بقرہ مثل جزور کے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ نیز بُدنہ کا اطلاق مثل ابل کے بقرہ پر بھی ہوتا ہے۔ شاۃ و کبش پر بدنہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

قال الشوكاني في النيل عن النهاية لابن الاثير: البدنة تقع على الجمل والناقة والبقرة وهي بالابل أشبه۔ وفي القاموس: البدنة محركة من الابل والبقر وفي الفتح ان اصل البدن من الابل والحقت بها البقر شرعًا وحكى في البحر عن ابي حنيفة واصحابه والناصر انها تطلق على البقر۔ وعن بعض اصحاب الشافعي انها تطلق على الشاة (أيضًا) قال ولا وجه له وحكى فيه ايضًا ان البقرة عن سبعة والشاة عن واحد اجماعا اھ (ج ۴۔ ص ۳۳۲)

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بدنہ کا اطلاق ابل و بقر پر ہوتا ہے نہ کہ شاۃ پر تو اس سے بقرہ کی فضیلت شاۃ پر دوسری طرح بھی ثابت ہو گئی وہ یہ کہ نص قرآنی میں ارشاد ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ تو اس سے اولاً و بالذات اضحیہ ابل و بقر کا شعائر اللہ سے ہونا مستفاد ہوتا ہے نہ کہ اضحیہ شاۃ کا۔ اضحیہ شاۃ اگر شعائر اللہ میں سے ہوگا تو الحاقاً و تبعاً ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اضحیہ کبش کرنا دلیلِ فضیلت جب ہو سکتا تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اسی پر اکتفا کیا ہو، اور جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اضحیہ

ابل اور بقر بھی ثابت ہے تو گلے ہے اضحیہ کبش کرنے سے اس کی فضیلت کیونکہ ثابت ہو سکتی ہے اور اگر کبش ابل اور بقر سے افضل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضحیہ حجۃ الوداع میں جو کہ آخری اضحیہ تھی ضرور اسی کو اختیار فرماتے حالانکہ اس وقت آپ نے بکری یا دنبہ کی قربانی نہیں کی بلکہ صحیحین سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع میں ستاون اونٹ اپنی طرف سے اور ایک گائے یا چند گائیں اپنی ازواج کی طرف سے ذبح فرمایا۔

والشك فی وحدة البقرة و تعددها لاختلاف الروایات ففی روایة ضحی عن ازواجه بقرة و فی بعضها عن ازواجه بقرة بقرة ذکره الحافظ فی الفتح فی باب الاضاحی)

رہی امام مالک کی دوسری دلیل کہ جنت سے فدیۂ اسماعیل میں کبش آیا تھا معلوم ہوا کہ وہی افضل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شرائع سابقہ کا کوئی حکم مسلمانوں پر اس وقت حجت ہو سکتا ہے جبکہ شریعت اسلامیہ میں اس کے خلاف حکم نہ ہو اور یہاں ہم نے بتلا دیا ہے کہ احادیث سے ابل و بقر کا افضل صراحۃً ثابت ہے پس شریعت سابقہ کا حکم ہم پر حجت نہیں ہوگا دوسرے وہاں کبش جنت کا ذکر ہے اور ہم ابل و بقر دنیا کو کبش جنت سے افضل نہیں کہتے بلکہ کبش و غنم دنیا سے افضل کہتے ہیں ممکن ہے کہ کبش جنت جثہ اور جسامت میں ابل و بقر دنیا سے زیادہ ہو اس لئے افضل ہوا اور اس کا جنت سے آنا ہی خود فضیلت کے لئے کافی ہے اور اس میں بحث نہیں۔ گفتگو دنیا کے ابل و بقر و غنم میں ہے جن میں دلائل سے یہی ثابت ہے کہ غنم کا درجہ سب کے بعد ہے۔ بہرحال اس مدعا پر متعدد دلائل قویہ قائم ہیں کہ بقرہ کبش و غنم سے افضل ہے۔ پس اگر امام مالک سے یہ روایت ثابت ہے کہ ایک بکری گھر بھر کی طرف سے اضحیہ میں کافی ہے تو ان کے قول پر بقرہ کا سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہ ہونا بہت عجیب ہوگا۔ اس کو ہرگز قیاس تسلیم نہیں کر سکتا کہ بکری تو گھر کے سو آدمیوں کی طرف سے کافی ہو اور گائے جو قیمت و جسامت میں اور فضیلت میں اس سے زیادہ ہے، وہ سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہ ہو۔ (ھذا ھو الذی الزم به الطحاوی القائلین باجزاء الشاة عن اھل بیت واحد جمیعًا) بلکہ قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر بکری ایک گھر کے سب آدمیوں کی طرف سے کافی ہو تو گائے سات گھروں کے آدمیوں کی طرف سے کافی ہوگی کیونکہ بالاجماع ایک گائے سات بکریوں کے برابر ہے۔

قال الشوکانی فی النیل تحت حدیث ابن مسعود مرفوعاً ان رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال إن علیّ بدنة وانا موسر ولا اجدھا فاشتریھا فامرہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبتاع سبع شیاہ فیذبحن رواہ احمد وغیرہ ـ

ما نصہ : قولہ سبع شیاہ استدل بہ من قال عدل البدنة سبع شیاہ ، وھو قول الجمھور وادعی الطحاوی وابن رشد انہ اجماع اھ

(ج ۴ ـ ص ۳۳۱)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اول تو ایک بکری کا سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہونا امام مالکؒ کے مذہب میں متفق علیہ نہیں بلکہ اُن سے دو روایتیں معلوم ہوتی ہیں ـ ایک جمہور امت کے موافق ہے جیسا کہ رحمۃ الامۃ اور نیل الاوطار کی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ بقرہ کا سات کی طرف سے کافی ہونا اور بکری کا ایک شخص کی طرف سے کافی ہونا اجماعی قول ہے دوسری روایت میں امام مالکؒ جمہور امت سے الگ ہیں اور اس حالت میں امام مالکؒ کے ایک ایسے قول پر فتوٰی دینا جو دلائل سے ضعیف ہے یقیناً خلافِ احتیاط ہے جو عبادات میں کسی طرح جائز نہیں ـ دوسرے اگر امام مالکؒ کے اس قول کو مان لیا جاوے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایک گائے سات گھر والوں کی طرف سے کافی ہو تو پھر وہ مصلحت فوت ہو جائے گی جو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کرنے میں ظاہر کی گئی ہے ، کیونکہ اب بھی اقتصادی مصالح گائے میں زیادہ ہوں گی ـ

تیسری یہ کہ حنفی کو اپنے امام کا قول چھوڑ کر دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنا صرف دو حالتوں میں جائز ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اپنے امام کا قول دلائل سے ضعیف ہو دوسرے کا قوی ہو اور یہاں یہ صورت نہیں ہے ـ بلکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا قول قوی اور امام مالکؒ کا قول ضعیف ہے اور جن آثار سے امام مالکؒ نے استدلال کیا ہے جمہور امت کے نزدیک اُن کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ قربانی واجب نہ ہوتی وہ ایک بکری اپنے گھر بھر کے لئے ذبح کر لیتا تھا کما ذکرہ فی المؤطا (۲۷۸) اور قولِ قوی کو چھوڑ کر قولِ ضعیف کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے ـ

دوسری صورت یہ ہے کہ ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے مضطر ہو کر دوسرے امام کے قول کو اختیار کیا جاوے اور ضرورتِ شدیدہ وہ ہے جس کو شریعت ضرورت تسلیم کرے

اور صورتِ موجود میں شرعاً کوئی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ قربانی کی پاکیزہ رسم کی بنیاد محبت واخلاص پر رکھی گئی ہے اور ہمارے دیس میں اس کا انتظار جنگ وقتل وخونریزی کے تخیل کے ساتھ کیا جاتا ہے اھ میں پوچھتا ہوں کہ قربانی کی بنیاد خدا تعالیٰ کی محبت کی بنیاد پر ہے یا باہمی کفار کی محبت پر۔ یقیناً کفار کی محبت پر شریعت کی کسی چیز کی بنیاد نہیں۔ بلکہ اگر قرآن کریم اور احادیث کا مطالعہ ایمان واسلام کی آنکھ سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شریعت میں اعداء اللہ کی بغض واغاظت کا جابجا امر ہے۔ بالخصوص قربانی میں تو اس کا بہت زیادہ لحاظ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن القیمؒ زاد المعاد میں واقعہ حدیبیہ سے احکام شرعیہ مستنبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں : و منها استحباب مغايظة اعداء الله فان النبی صلی الله عليه وسلم اهدى فی جملة هديه جملاً لابی جهل فی انفه برة من فضة ليغيظ به المشركين (ای لكونه جمل سيدهم) وقد قال تعالىٰ فی صفة النبی صلى الله عليه وسلم واصحابه وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وقال عزوجل : ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (ص ۳۸۵ - ج ۱)

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر قربانی کی بنیاد نعوذ باللہ کفار کی محبت پر ہے تو خود اسلام کی بنیاد بھی اسی پر ہونا چاہئے پھر اگر کسی کا مسلمان ہونا ہندوؤں کو ناگوار ہو چنانچہ واقعہ ہے کہ ان کو یہ امر ناگوار ہے تو بس آج سے کسی کافر کو بھی مسلمان نہ کیا جائے تاکہ برادرانِ وطن ناخوش نہ ہوں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اسلام کا تو کوئی بدل نہیں اور قربانی کا بدل موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ اعلانِ اسلام کا بدل اخفاء اسلام ہے تو کیا آج سے نومسلموں کو یہ مشورہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے اسلام کو ظاہر نہ کریں مخفی رکھیں خصوصاً جبکہ ایک اسلامی فرقہ مرجیہ بھی ہے جو عمل کو چنداں ضروری نہیں کہتا صرف ایمانِ قلبی کو ضروری سمجھتا ہے اور یقیناً اظہارِ اسلام بھی صرف ایک عمل ہی ہے۔ پھر ہم

پوچھتے ہیں کہ اگر آج تم نے ہندوؤں کی ایک جماعت کی خاطر اضحیۂ گاؤ کو ترک کیا تو کیا کل دوسری جماعت کی خاطر سے جو مطلقاً جیو شاہی کو جرم سمجھتے ہیں بکری کی قربانی بھی ترک کردو گے اور اس وقت ان علماء کا قول لے لوگے جو اضحیہ کو واجب نہیں کہتے بلکہ محض سنت کہتے ہیں اور کیا مسجدوں میں آذانیں بھی بند کردو گے جو کفارِ ھند کے دلوں پر تلوار سے زیادہ کاری زخم لگاتی ہے۔ چنانچہ جس جگہ ان کا بس چلتا ہے اذان کو فوراً روک دیتے ہیں تو بس پھر نعوذ باللہ اسلام کو یہ کہکر چھوڑ بیٹھنا کہ ہمارے مسلمان رہنے سے ہندوؤں کو ناگواری ہے۔ کیونکہ وہ ہندوستان میں صرف ہندوؤں ہی کا رہنا پسند کرتے ہیں کسی دوسری قوم کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے چھپی ہوئی بات نہیں۔ اور اگر معاذ اللہ اسلام اور اضحیہ کی بنیاد کفّار کی محبت پر ہے تو شاید فاضل مضمون نگار کے نزدیک تو وہ خلفاء اسلام تو بہت بڑے مجرم ہوں گے جنہوں نے بلادِ کفر کو فتح کر کے بتخانوں اور بتوں کو توڑ کر مسمار کیا تھا۔ کیونکہ اس فعل سے یقیناً کفار کی آتشِ غضب تیز ہوئی ہے۔ پس قربانی گاؤ کو ترک کر کے امام مالکؒ کے قول پر گھر بھر کی طرف سے ایک بکری پر اکتفاء کرنا محض ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ شرعی ضرورت نہیں بلکہ مقصودِ شرع کے منافی ہے اور کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ قربانی کی بنیاد کفار کے ساتھ محبت و اخلاص کرنے اور ان کے ساتھ عاجزی و بیچارگی کی تصویر بننے پر ہے بلکہ اس کی بنیاد محبتِ الٰہی و فدائے نفس فی سبیل اللہ پر ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کسی عبادت کے وقت امنِ عامہ کو مفقود نہ کرنا چاہیئے مگر دیکھنا یہ چاہیئے کہ قربانی کی وجہ سے جو فسادات ہوتے اور امن عام مختل ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ یقیناً مسلمان شرعاً و قانوناً اضحیۂ گاؤ کے مختار ہیں اور یہ ان کا اسلامی حق ہے جس کو گورنمنٹ نے بھی ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ پس اگر مسلمان اپنے اس جائز حق کو استعمال کریں تو بتلایئے اس میں مسلمانوں کا قصور ہے یا ہندوؤں کا؟ جو خواہ مخواہ مسلمانوں سے اس جائز حق میں مزاحمت کرتے ہیں: رہا یہ کہ وہ تو اپنی نادانی کی وجہ سے مزاحمت سے باز نہیں آتے تو آخر اس فساد کا کچھ تو انسداد ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان واقعات کے انسداد کی یہ صورت نہیں جو ندوی فاضل نے اختیار کی ہے کہ ہندوؤں کی مزاحمت کو دیکھ کر اپنے مذہب کو بدلنے لگے اور ضعیف اقوال کا انتخاب کرنے لگے

کیونکہ میں بتا چکا ہوں کہ اول تو شرعًا جائز نہیں دوسرے اقتصادی اور تمدنی مصلحتیں بھی اس طرح حاصل نہیں ہوسکتیں بلکہ اس سے ہندوؤں کے حوصلے بڑھیں گے۔ اور کل کو وہ کسی اور بات سے تم کو روکنے لگیں گے پھر کہاں تک تم اپنے مذہب کو بدلو گے بلکہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب ہندو مزاحمت کریں اس وقت مسلمان مقابلہ نہ کریں بلکہ حکام کو اطلاع کرکے ان کی مدد سے قربانی کریں۔ دوسرے یہ کہ حکام کی امداد کے بعد بھی اگر وہ مزاحمت سے باز نہ آئیں تو گورنمنٹ سے اجازت لے کر مزاحمت کا جواب مدافعت سے دیدیں۔ اس صورت میں فساد نہ ہوگا۔ بلکہ یہ مزاحمت اعلاء کلمۃ اللہ میں داخل ہو کر باعثِ اجرِ عظیم ہوگی جس میں شہادتِ عظمیٰ کا ثواب ملے گا۔ ہاں بدون گورنمنٹ کی اجازت و اطلاع کے مدافعت و مقابلہ کرنا ہمارے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کو ہرگز مناسب نہیں۔ یہ گفتگو تو اس تقریر پر تھی کہ اضحیۂ گاؤ اور اضحیۂ غنم کو مساوی طور پر شعائرِ اسلام تسلیم کرلیا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں اضحیۂ گاؤ اعظم شعائرِ اسلام ہے جس کو ہم نے رسالہ " الخیر النامی لدفع شر النظامی " میں مفصل طور پر ثابت کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جب تک مسلمانوں کو اضحیۂ گاؤ پر قدرت ہو اس وقت تک ہندوؤں کی خاطر اس کو ترک کرنا ہندوستان میں ہرگز جائز نہیں۔

اب میں آخر میں فاضل مضمون نگار کو اس کی چند غلطیوں پر اور بھی متنبہ کرتا ہوں، وہ یہ کہ اس نے امام مالکؒ کے اس قول کو ظاہر کرکے بزعم خود قتل و خونریزی کو کم کرنا چاہا ہے حالانکہ اس سے اور زیادہ قتل و خونریزی بڑھے گی کیونکہ حنفی علماء ہرگز اس قول کو نہیں مان سکتے، جو آثار اور قیاس سے ہر طرح ضعیف ہے پھر اب تک تو ہندو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے اقتصادی طور پر اضحیۂ گاؤ ضروری ہے اور یہ سمجھ کر کسی وقت روبراہ بھی ہوجاتے تھے اور جب یہ سمجھیں گے کہ یہ اقتصادی مصالح امام مالکؒ کا قول لیکر بکری میں بھی حاصل ہوسکتی ہیں اور مسلمان پھر بھی امام مالکؒ کے قول پر عمل نہیں کرتے تو اس سے ان کی آتشِ غضب اور زیادہ بڑھکے گی۔

دوسری غلطی مضمون نگار نے یہ کی کہ گائے کے ذبح میں جو اقتصادی مصالح ہیں اس نے بکری میں ان کا دعویٰ کردیا ہے حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیکر بھی وہ

اقتصادی مصالح بکری سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ امام مالکؒ کے قولِ مذکور پر ایک بکری صرف ایک گھر کے آدمیوں کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔ دو یا دو سے زیادہ گھروں کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بوجہ افلاس کے ایسے گھر بہت کم ہیں کہ جن میں ایک گھر کے سب آدمیوں پر قربانی واجب ہوتی ہو بلکہ عام طور پر ایک گھر میں ایک دو آدمیوں پر قربانی واجب ہوتی ہے اور زیادہ تر یہ ہے کہ گائے کے شرکاء مختلف گھروں کے آدمی ہوتے ہیں۔ ان سب کی طرف سے ایک بکری تو کافی ہوگی نہیں کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ تو ہر شخص جدا جدا بکری ذبح کریگا تو اس صورت میں وہ اقتصادی مصلحت کہاں حاصل ہوئی جو گائے میں سات آدمیوں کے شریک ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

ذبح کرنے کے بعد جان نکلنے سے پہلے جانور کی چھاتی کھولنا مکروہ ہے

السؤال: قصائی لوگ گائے کو ذبح کرنے کے بعد فوراً، جان نکلنے سے پہلے اس کی گردن کی نرم نرم لٹکتی ہوئی کھال سینہ تک چاک کر دیتے ہیں پھر سینہ میں چھری مار کر اس کا خون نکال دیتے ہیں۔ اور قصائی اپنی اصطلاح میں اس کو چھاتی کھولنا کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ گائے اس طرح (حوالی قلب کا) خون نکلنے سے جلد ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔ صورۃً جان نکلنے سے پہلے کھال ادھیڑنا اور اس طرح سینہ میں چھری مارنا تأذی بلا ضرورت معلوم ہوتا ہے۔ آیا ذبح کرنے (یعنی نرخرہ و مری) کاٹنے کے بعد اس طرح کھال سینے تک کاٹنا اور دوبارہ چھری مار کر خون بہانا جانور کو جلدی ٹھنڈا کرنے کے عذر سے شرعاً جائز ہے یا تأذی بلا ضرورت کے تحت میں آتا ہے اور ممنوع ہے۔ رسالہ "ارشاد الہائم فی حقوق البہائم" میں صرف دو جگہ اس کا ذکر ہے جس کا اس سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ صث حدیث چہارم، تحت فائدہ .... رگوں کے کٹنے کے بعد کھال حلق کی کاٹنے لگے یا اور کسی طرح تکلیف پہنچائے .... صنا حدیث دہم کے تحت فائدہ ... قصابوں کا وہ فعل کہ محض کھال کی بہت قلیل مقدار بڑھانے کے لئے اوپر سے ذبح کر کے رگوں تک لاتے ہیں تو رگوں کے کٹنے

سے قبل جبتنی دور سے کھال قطع کی ہے تاذی بلاضرورت ہے لیکن ان عبارتوں سے مسئلہ میں تشفی نہیں ہوتی ۔

الجواب

قال فی الدرالمختار : کرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الرأس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن اضطراب وھو تفسیر باللازم کما لایخفی لانہ یلزم من برودتہا سکونہا بلاعکس (ج ۵-ص ۲۸۹)

و فی العالمگیریۃ والحاصل ان مافیہ زیادۃ الم لایحتاج الیہ فی الزکاۃ مکروہ ، کذافی الکافی اھ (ج ۶-ص ۱۹۳)

اس سے معلوم ہوا کہ قصابوں کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں زیادہ الم ہے ۔ جس کی ذبح میں ضرورت نہیں اور گو اس فعل کے بعد جان جلدی نکل جائے مگر خود اس فعل کی تکلیف اشد ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

ایسا شکار ذبح کرنے کا حکم جس کے گلے کا اکثر حصہ باقی نہ رہا ہو

السوال : ایک خرگوش پر بندوق چلائی اور اس کے منہ کا نیچے کا جبڑا جاتا رہا اور اوپر کا جبڑا سالم تھا بلکہ اس کی تمام ناک تک کی نشانیاں باقی رہیں لیکن دانت نہ رہے اور دانت کے بیچ میں سے گولی نکلنے سے گردن میں بھی صرف اگلے حصہ میں شہ رگ وغیرہ نہ رہی بلکہ کھال اور کچھ گوشت رہا اور پیچھے بھی اسی شکل میں گوشت اور کھال رہی ۔ خرگوش کی کھال اور گوشت جو سامنے رہ گیا تھا ذبح کر دیا اور اس کا گوشت کھالیا گیا اس کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے ۔

الجواب

قال فی الدرالمختار : و ذکاۃ الاختیار ذبح بین الحلق واللبۃ وعروقہ الحلقوم والمری والودجان وحل المذبوح بقطع ای ثلاث منہا اذ للاکثر حکم الکل وصح البزازی اذ اقطع کل حلقوم المری والاکثر من ودجین

یوکل وإلا فلا اھ (ج ۵ - ص ۲۸۸) اگر خرگوش کا گلا اور نرخرہ اور شہ رگوں کا زیادہ حصہ باقی نہیں رہا تھا تو یہ ذبح درست نہیں ہوا اور اس کا کھانا حرام ہوا۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۷ ، ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ یوم الجمعۃ

کسی ایک شریک قربانی کا اپنے حصہ کی زیادہ قیمت دینے کا حکم

السوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سات آدمی شریک ہو کر سولہ روپے سے ایک گائے خرید کر قربانی کرتے ہیں اب عرض یہ ہے کہ ۲/ ادا کر کے کل پندرہ روپے اور ساڑھے پندرہ آنے ہوتے ہیں اور ڈیڑھ پیسہ کی کمی رہتی ہے۔ ان سات آدمیوں میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ وہ دو پیسہ میں اپنی خوشی سے زیادہ دیتا ہوں تم اطمینان رکھو۔ آیا اس صورت میں قربانی میں اس گائے مذکورہ کے کچھ حرج تو نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنا حصہ دو پیسہ زائد میں خریدتا ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں سب شرکاء کا دین بخوشی اپنی طرف سے ادا کرتا ہوں تو جائز ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس شخص کا حصہ بقدر دو پیسہ کے قربانی میں دوسروں سے زیادہ ہوگا تو درست نہیں لکون الستۃ لا یملك سبعًا کاملاً احد منھم

مسجد یا رباط میں چرم قربانی کی قیمت صرف کرنے کا حکم

السوال: اگر وقف ہو تو اس میں چرم قربانی کی قیمت صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

مسجد یا رباطِ موقوف میں چرم قربانی کی قیمت لگانے سے اس قیمت میں یا وقف میں

کوئی خبث لازم نہیں آتا بلکہ صرف یہ ہے کہ قربانی کرنے والے کے ذمہ چرم کی قیمت بمالہ واجب التصدق رہتی ہے۔ اس طریق سے واجب ادا نہیں ہوا۔ پس اگر کسی نے مسجد یا مسافر خانہ میں چرم قربانی کی قیمت دی ہو اور وہ ان کی عمارت میں لگ چکی ہو تو جو سامان اس سے خرید اگیا ہو سب مسجد و مسافر خانہ پر وقف ہوگیا اور اس کو مسجد منہدمہ اور مسافر خانہ میں لگانا درست نہیں۔ البتہ اگر وہ قیمتِ چرم ہنوز صرف نہ ہوئی ہو تو مسئلہ بتلا کر مالک سے دریافت کرلیا جاوے کہ وہ اب بھی مسجد میں یا مسافر خانہ میں یہ رقم دینا چاہتا ہے اور صدقہ واجبہ کو اس سے الگ ادا کرے گا یا واپس لینا چاہتا ہے اگر واپس لینا چاہے تو واپس کردی جائے۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

قربانی کے جانور کے کسی عضو میں زخم ہو کر کیڑے پڑ جائیں تو اس جانور کو قربانی میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

السؤال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو گائے یا بچھڑا وغیرہ قربانی کے واسطے خرید ا جائے اور اس کے کسی عضو میں زخم ہو کر کیڑے پڑ جائیں مگر ویسے تندرست ہو تو وہ قربانی ہو سکتا ہے یا نہیں اور موضع کھاری قصبہ جہالو سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ہم ہمیشہ جہالو جاکر قربانی کرتے ہیں مگر شام ہو جاتی ہے اور کھاری میں ہوتی نہیں، بہت ہندو لوگ رہتے ہیں اگر ہم لوگ صبح کے وقت جہالو جاکر قربانی کرلیا کریں تو درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر جلدی روانہ کریں۔

الجواب

اگر کیڑوں کی وجہ سے اس قدر دُبلی ہو جائے کہ اس کی ہڈی میں مغز نہ رہے جب تو اس کی قربانی جائز نہیں ورنہ جائز ہے قیاسًا علی الجرباء وقال فیہ صاحب الدر المختار (والجرباء السمینۃ) فلو مھزولۃ لم یجز لان الجرباء فی اللحم نقص وقال الشامی قال فی الخانیۃ و تجوز بالثولاء والجرباء السمینتین فلو مھزولتین لا تنقی لا یجوز اذا ذھب مخ عظمھا فان کانت مھزولۃ

فیھا بعض الشحم جاز یروی ذلک عن محمد اھ وقولہ لاتنقی ماخوذ من النقی بکسر النون واسکان القاف ھو المخ ای لامخ لھا وھذا یکون من شدۃ الھزال فتنبہ قال القھستانی : واعلم ان الکل لایخلو عن عیب والمستحب ان یکون سلیما عن العیوب الظاھرۃ فما جوز ھھنا جوز مع الکراھۃ کما فی المضمرات۔

البتہ اگر کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہوگیا مثلاً پاؤں میں کیڑے ہوگئے اور وہ چل نہیں سکتی تو قربانی جائز نہ ہونا ظاہر ہے۔

اگر گاؤں کا باشندہ قصبہ میں قربانی کرے تو اس کو بھی نماز کے قبل قربانی جائز نہیں ہے (والمعتبر مکان الاضحیۃ الخ) فلو کانت فی السواد والمضحی فی المصر جازت قبل الصلوٰۃ وفی العکس لم تجز۔ قہستانی (شامی ج ۵۔ ص ۳۱۱) واللہ اعلم

عبدالکریم عفی عنہ

قبضہ کے بعد چرم قربانی کی قیمت مدرسہ کی تعمیر میں صرف کرنے کا حکم

السوال : رجال اعطوا قیم جلود اضحیتھم لمھتمم المدرسۃ لیملکھا بین المستحقین من طلبۃ العلم والمھتمم ملکھا رجلاً فقیرًا ثم استوھبھا منہ وصرفھا فی تعمیر المدرسۃ بغیر اذن من المعطین ولا رضاھم فھل یجوز للمھتمم ذلک الملا و یسقط وجوب تصدق قیم الجلود عن المعطین ام لا۔

الجواب

فی الشامی ج ۲۔ ص ۱۷ تحت قول الدر : وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وھذا حیث لم یأمرہ بالدفع الی معین اذ لو خالف ففیہ قولان حکاھما فی القنیۃ وذکر فی البحران القواعد تشھد للقول بانہ لا یضمن لقولھم لو نذر التصدق علی فلان لہ ان یتصدق علی غیرہ۔ اھ

اقول وفیہ نظر لان تعیین الزمان والمکان والدرھم والفقیر غیر معتبر فی النذر لان الداخل تحتہ ماھو قربۃ وھو اصل التصدق دون

التعیین فیبطل وتلزم القربۃ کما صرح به وهنا الوکیل انما یستفید التصرف من الموکل وقد امرہ بالدفع الا فلان فلا یملك الدفع الی غیرہ کما لو اوصی لزید بکذا لیس لوصیه الدفع الی غیرہ فتأمل انتھی عبارۃ الشامی وقلت هذا فی تعیین الشخص ففی تعیین النوع (ای الطلبۃ) لا یضمن فی قول البحر بالاولی فلا یضمن المهتم وان کان ما فعله خلاف الاحتیاط لکون قول البحر منظورًا فیه فالواجب ان یستفید مثل هذه الاختیارات من المعطین ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

کتبه الاحقر عبد الکریم عفی عنه

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنه ۳ محرم ۱۳۴۴ھ

گابھن اور شیر دار گائے کی قربانی جائز ہے | السوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گابھن اور شیر دار گائے کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

جائز ہے ۔ کما یعلم ضمنًا معنی قول الدر : ولدت الاضحیۃ ولدًا قبل الذبح یذبح الولد معها۔ وقال الشامی تحت قوله قبل الذبح فان خرج من بطنها حیًّا فالعامۃ انه یفعل به ما یفعل بالام (ج ۵ ص ۳۱۵)

وفیه ایضًا ویکرہ الانتفاع بلبنها قبله ای قبل الذبح (ج ۵۔ ص ۳۲۱)

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنه

۱۴ صفر ۱۳۴۴ھ

مذبوح فوق العقدہ حلال ہے یا حرام؟ | السؤال : مذبوح فوق العقدہ حلال ہے یا حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ۔

الجواب

اگر تین رگیں کٹ جاویں تو جائز ہے ورنہ حرام ہے ۔ کما فی الشامی (ج ۵ ص ۲۸۷)

بعد نقل الاختلاف اقول والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلاثۃ من العروق فالحق ما قالہ شراح الھدایۃ تبعًا للرستغفنی والا فالحق خلافہ اذ لم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب و یظھر ذلك بالمشاھدۃ اوسوال الخبرۃ فاغتنم ھٰذا المقال ودع عنك الجدال ۔
واللہ اعلم ۔
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

ختنہ کرنے سے اگر حشفہ کی کھال پوری نہ اترے تو دوبارہ ختنہ ضروری ہے یا نہیں

السوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے کا ختنہ کیا گیا لیکن پوری سپاری تک چمڑا نہیں کاٹا گیا، نصف تک تخمیناً حشفہ ظاہر ہوتا ہے تو اس میں دوبارہ ختنہ کرانا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب

قال فی العالمگیریۃ : غلام ختن فلم تقطع الجلدۃ کلھا فان قطع اکثر من النصف یکون ختانا وان کان نصفًا او دونہ فلا ۔ کذا فی خزانۃ المفتین اختتن الصبی ثم طال جلدتہ ان صار بحال یستر حشفتہ یقطع والا فلا ۔ کذا فی المحیط (ج ٦ - ۲۳۷)

صورت مسئولہ میں یہ دیکھا جاوے کہ جتنی کھال ختنہ میں قطع کی جاتی ہے وہ نصف سے زائد قطع ہوچکی ہے یا نہیں اگر نصف سے زائد قطع ہوچکی ہے تو دوبارہ ختنہ کی ضرورت نہیں لان الحشفۃ غیر مستورۃ بل الظاھرۃ کما فی السؤال ۔ اور اگر نصف سے کم یا نصف کھال قطع ہوئی ہے تو دوبارہ ختنہ کی ضرورت ہے بشرطیکہ بچہ کو زیادہ تکلیف ناقابلِ برداشت نہ ہو۔ اگر اس تھوڑی سی کھال کے کھینچنے اور دراز کرنے میں تکلیف زائد ہو جو ناقابلِ برداشت ہو تو بچہ کو ایسی تکلیف دینے کی ضرورت نہیں بلکہ معتبر دیندار حجاموں کو دکھایا جائے ۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اس کی ختنہ دوبارہ دشوار ہے اور تکلیف سخت ہوگی تو اس کی دوبارہ ختنہ نہ کی جاوے ۔

قال فی العالمگیریۃ : وفی صلاۃ النوازل الصبی اذا لم یختن ولا یمکن ان

یمد جلدته لیقطع الا بشدید وحشفته ظاهرۃ اذا راٰہ انسان یراہ کانہ اختتن ینظر الیہ الثقات واھل البصر من الحجامین فان قالوا ھو علی خلاف ما یمکن الاختتان فانہ لا یشدد علیہ ویترک۔ کذا فی الذخیرۃ (ج ٦ - ص ۲۳۷)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۴ / ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

صبی مجنون کا ختنہ سنت ہے یا نہیں

السوال : ختان صبی مجنون سنت است یا نہ، این مسئلہ واقع شدہ۔ اگر بجلدی جواب ارسال شود نہایت عنایت باشد، باید کہ حوالۂ کتاب وعبارتِ کتاب نوشتہ کنید کہ تسلی خاطر ما خوب تر گردد

رسول شاہ قریہ ڈھودہ ضلع کوہاٹ

الجواب

فی الھندیۃ: وللاب ان یختن ولدہ الصغیر ویحجمہ ویداویہ وکذا وصی الاب ولیس لولی الخال والعم ان یفعل ذلک الا ان یکون فی عیالہ فان مات فلا ضمان علیہ استحسانا وکذلک ان فعلت الام ذلک کذا فی السراج الوھاج (ج ٦ - ص ۳۷)

وذکر الاصولیون ان المجنون کالصبی فی احکامہ

باپ دادا اور ماں کو صغیر کی ختنہ کرنے کا حق ہے اور جنون عذر مسقطِ ختان نہیں ہے۔ اگر ختنہ کرنا اور مختون کی حفاظت کرنا دشوار نہ ہو۔ اور اگر جنون کی وجہ سے ختنہ کرنا ہی دشوار ہو یا اس کی حفاظت کرنا دشوار ہو تو اس عذر سے ختان ساقط ہو جائے گا اور جواب قواعد سے لکھا گیا ہے، جزئیہ نہیں ملا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ / محرم الحرام ۱۳۴٦ھ۔

از تھانہ بھون

قربانی میں ایک حصہ تمام امتِ محمدیہ کی طرف سے کرنے کا حکم اور شرکتِ اضحیہ کے چند احکام

السوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک گائے خرید کی اور اس میں ایک اپنا حصہ، ایک لڑکے کا اور ایک اپنی زوجہ کا اور ایک حصہ اپنے والد مرحوم کا اور ایک والدہ مرحومہ کی طرف سے متعین کیا باقی ایک حصہ میں تمام امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کیا مگر اس شرکت میں یہ نیت نہ کی کہ یہ حصہ لیکر اس امتِ مرحومہ کو ثواب پہنچانا ہے۔ محض شرکت کی نیت کی تو یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں۔

نیز ایک شخص نے ایک گائے میں اپنا اور اپنے لڑکے کا جو کہ بالغ ہے اور علیحدہ ہے آدھا، آدھا حصہ متعین کرکے ذبح کی اور گوشت باپ بیٹے نے ثلث فقراء کو تقسیم کر دیا قبل اس کے کہ وہ اپنا اپنا حصہ لیکر بانٹیں اور رشتہ داروں کو بھی تقسیم کر دیا اور باقی ایک جگہ کھالیا۔

و نیز ایک گائے میں تین، چار یا پانچ یا چھ آدمی برابر حصّہ متعین کریں تو یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

رحیم بخش، بانڈہ بادلی، ضلع مرادآباد
مدرسہ عربیہ اسلامیہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

الجواب

قال فی البدائع: واما قدرہ فلا یجوز الشاۃ والمعز الاعن واحد وان کانت عظیمۃ سمینۃ تساوی شاتین، فان قیل ألیس انہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والآخر عمن لا یذبح من امتہ فکیف ضحی بشاۃ واحدۃ عن امتہ علیہ الصلاۃ والسلام فالجواب انہ علیہ السلام فعل ذلک لأجل الثواب وھو انہ جعل ثواب تضحیتہ بشاۃ واحدۃ لامتہ لا للاجزاء[1] وسقوط التعبیر عنھم ولا یجوز بعیر واحد ولا بقرۃ عن اکثر من السبعۃ ویجوز ذلک عن السبعۃ او

---

[1] قلت وسبع البقرۃ لا الشاۃ کما لا یخفی ۱۲ منہ

ذلک وھذا قول عامۃ العلماء الخ (ج ۵ - ص ۷۰)

وفی الدر المختار تجب شاۃ او سبع بدنۃ وللواحد ھم اقل من السبع لم یجز عن احد وتجزیٔ عما دون السبعۃ بالاولیٰ اھ

قال الشامی تحت ھذا: اطلقہ فشمل ما اذا اتفقت الانصباء قدرًا اولا لکن بعد ان لا ینقص عن السبع اھ (ج ۵ - ص ۳۰۸)

صورتِ مسئولہ میں جس شخص نے ایک حصہ بقرہ میں سب امتِ محمدیہ کو شریک کیا ہے اگر اس کی نیت محض ثواب پہنچانے کی نہ تھی بلکہ سب کو اس حصہ میں شریک کرنا اور سب کی طرف سے قربانی کرنا تبرعًا مقصود تھا تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی۔ کیونکہ بعض شرکاء کے لئے ساتویں حصہ سے کم ہوا پس قربانی صحیح نہ ہوئی نہ اس حصہ میں اور نہ باقی حصوں میں بلکہ اس کے ذمہ باقی رہا۔

اور دوسری صورت میں باپ، بیٹے دونوں کی طرف سے قربانی صحیح ہوگی۔

اور تیسری صورت میں بھی قربانی درست ہے۔ جبکہ سب کے حصے برابر ہوں۔ یا متفاوت ہوں مگر کسی حصے کا ساتویں حصہ سے حصہ کم نہ ہو۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امداد
۹ محرم ۱۳۴۶ھ

چرم اضحیہ کی قیمت میں تملیکِ فقر ضروری ہے یا نہیں؟

السؤال: ما قولکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں مسئلہ کہ: زید میگوید کہ تصدق چرم جانورانِ قربانی گرچہ واجب نیست اما بعد فروختنش بروپیہ مثل آن بحکم شرع شریف چون تصدق قیمتش بروے واجب گشت پس بہمہ وجوہ حکم آن حکم صدقۂ واجبہ گردد وہمچون صدقاتِ واجبہ دیگر مشروط بشرط تملیک باشد بنائً علیہ در کفن میت وساختن راہ ومساجد ومدارس ومجالسِ وعظ وغیرہ صرفِ آن جائز نباشد۔ اما عمرو می گوید کہ آن چرم قبل فروختنش واجب التصدق نبود اما بعد فروخت حکم وجوب التصدق بآن عارض گشت بناء بر آن بہمہ وجوہ حکم آن حکم صدقۂ واجبہ نگردد۔ لہٰذا باعتبار اصل در امور مسطورہ صرف کردنش ہم جائز باشد۔

الجواب

قولِ زید صحیح است لان معنی التملیك ماخوذ فی مفہوم الصدقۃ قال فی الدر: والصدقۃ کالهبۃ بجامع التبرع وحینئذ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم ولا رجوع فیها اھ (ج-۴ ص-۷۹۶)

فحیث امر الفقهاء بالصدقۃ المطلقۃ یعنون بها تملیك الفقیر۔

مخفی نیست کہ حکم جلد اضحیہ ومنافع اضحیہ در وجوبِ تصدق مساوی است ودر منافع اضحیہ تصریح بتصدق علی الفقیر وارد شدہ است۔

قال الشامی: والحاصل ان التی لا یوکل منها هی المنذورۃ ابتداءً والتی وجب التصدق بها بعد ایام النحر والتی ضحی بها عن المیت بامرہ علی المختار والواجبۃ علی الفقیر بالشراء علی احد القولین والذی ولدتہ الاضحیۃ کما قدمناہ عن الخانیۃ، والمشترکۃ بین سبعۃ نوی بعضهم القضاء عن الماضی کما قدمنا آنفاً۔ فهذہ کلها سبیلها التصدق علی الفقیر فاغتنم هذا التحریر (ج ۴-ص ۳۳)

قلت والذی ولدتہ الاضحیۃ من المنافع الزائدۃ کالجلد، فلما وجب تصدقہ علی الفقیر فکذا ثمن الجلد - واللّٰہ اعلم۔

وایضاً قیمۃ الجلد لها شبهۃ بقیمۃ الاضحیۃ التی لم تذبح فی ایام النحر وسبیل الثانیۃ التصدق علی الفقیر فکذا الاولی۔ وقال فی البحر فی باب الزکوٰۃ تحت قول الکنز لا الی ذمی وبناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینہ واصلہ وان علا وفرعہ وان سفل مانصہ وفیہ اشارۃ الی هذا الحکم لا یخص الزکوٰۃ بل یعم کل صدقۃ واجبۃ فلا یجوز دفعها لهم کالکفارات وصدقۃ الفطر والنذور الی ان قال: وقید بالصدقۃ الواجبۃ لان صدقۃ التطوع الاولی دفعها الی الاصول والفروع۔ کذا فی البدائع (ج ۲- ص ۲۴۴)

ملخصاً وازین عبارتِ فقہاء۔ صدقۂ واجبہ عام است ہر صدقۂ واجبہ را کہ واجب

از اصل باشد یا نہ پس تخصیص حکم تملیک باحدھما دون الآخر بلا دلیل است و مخفی نیست کہ صدقۂ دراھم جلد اضحیہ درحکم صدقہ جلد اضحیہ ہرگز نیست زیرا کہ جلد اضحیہ مثل لحم اضحیہ است انتفاع بنفسہ ازان جائز است و دراھم جلد اضحیہ غیر جائز الانتفاع درحق بائع است پس دراھم جلد اضحیہ مثل دراھم لحم اضحیہ است در وجوب تصدق بالتملیک۔

وقال فی غنیۃ الناسک فی باب الھدایا: والھدایا یسقط وجوبھا بالذبح فان کان مما یجوز لہ اکلہ لایجب علیہ التصدق بشئ حتی لو استھلکہ بنفسہ بعد الذبح بان اتلفہ اوضیّعہ اووھبہ لغنی اونحو ذلک لا یضمن شیئا وان کان مما لایجوز لہ اکلہ یجب علیہ التصدق بکلہ بالتملیک اوالاباحۃ ولوبالتخلیۃ حتی لواستھلکہ بنفسہ بعد الذبح یضمن قیمتہ للفقراء ولوھلک اواستھلکہ غیرہ لاضمان علیہ فی النوعین لانہ لا صنع لہ فیہ ولوباع اللحم جاز بیعہ فی النوعین (المراد بالجواز الصحۃ لا الحل کما صرح بہ بعد) الا انہ فیما لایجوز لہ اکلہ یتصدق بثمنہ لانہ ثمن مبیع واجب التصدق۔ کذا فی الجزار اجرہ منہ فعلیہ ان یتصدق بقیمتہ ای بقیمتہ ان کان اکثر وبالثمن ان کان اکثر علی ما فی البدائع۔ وھذا یرجح قولھم والھدایا کالضحایا فان الاضحیۃ لایجب التصدق بشئ منھا مع انہ لواستھلکھا بان باع لحمھا اوجلدھا بمستھلک او بالدراھم او اعطی الجزار اجرہ منھا او تلفھا اوضیعھا یجب التصدق بالثمن فی صورۃ البیع وبالقیمۃ فی غیرھا فکذا ھذا۔

(ص ۱۹۲)

قلت وقد صرح بمعنی التصدق فی الاولی فھو المراد بہ فی الثانیۃ۔ لعدم القرینۃ علی الفرق۔

وفیہ ایضًا ولایبیعہ ای الجلد بالدراھم لینتفع بہ اوینفقھا علی نفسہ اوعیالہ فان باعہ لذلک اوباعہ بما یستھلک تصدق بثمنہ وصح بیعہ مع الکراھۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد وعن ابی یوسف باطل

لانہ کالوقف وکذا لوعمل منہ جرابا وآجرہ لم یجز وعلیہ التصدق بالاجرۃ وله ان یبیعہ بالدراھم لیتصدق بھا الی ان قال فلو باعہ بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ (ص۱۹۳)

قلت فیہ دلالۃ علی ان تصدق ثمن الجلد لیس کالصدقۃ النافلۃ من غیرھم فثبت ان حکمہ حکم الصدقۃ الواجبۃ الا ان الزکوٰۃ والفطرۃ لایکفی فیھما الاباحۃ وتکفی فی غیرھا۔

قال فی غنیۃ الناسك فی باب الھدایا ولواطعم لغیراصولہ وفروعہ من الاقارب جاز وان کان نفقتہ واجبۃ علیہ اذالم یحبسھا من النفقۃ اذ لافرق بین الزکوٰۃ وبین بقیۃ الھدایا بل بین کل صدقۃ واجبۃ کالفطر والنذور والکفارات فی المصارف واموال الصرف الا ان الزکوٰۃ لایجوز صرفھا الی الذمی بالاتفاق بخلاف غیرھا فانہ یجوز صرفھا الی الذمی عند ابی حنیفۃ ومحمد لکن المفتی بہ قول الثانی وھو انہ لایصح دفع الواجبات الیہ فی المختار والا ان الزکوٰۃ والفطرۃ یشترط فی صرفھما التملیك وفی ماسواھا یکفی الاباحۃ۔ ایضا ملخصا (ص۱۹۲)

قلت: وفی تکفین المیت وبناء المسجد لاتوجد الاباحۃ ایضاً فلا یجوز صرف ثمن جلد الاضحیۃ الیھما کمالا یجوز صرف الکفارات الیھا فافھم۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفراحمد عفااللہ عنہ

۸؍ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۶ھ

مکہ میں یوم النحر ہندوستان سے ایک دن پہلے ہوا تو ہندوستان میں بارہ تاریخ کی قربانیاں صحیح ہوئیں یا کہ نہیں؟

السؤال: اس سال مکہ میں حج جمعرات کو ہوا ہے جس کے حساب سے یہ جمعہ کو دس ذی الحجہ واقع ہوتی ہے اور ہندوستان میں دس ذی الحجہ شنبہ کو ہوئی ہے اور مکہ کی خبر متواتر ذرائع سے ثابت ہو چکی ہے تو جن لوگوں نے ہندوستان کے حساب سے بارہ تاریخ تک یعنی دوشنبہ تک قربانیاں کی ہیں ان کی قربانیاں درست ہوئیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

قال فى الدر: كما لو شهدوا انه يوم العيد عند الامام فصلّوا ثم ضحوا ثم بان انه يوم عرفة اجزاهم الصلوٰة والتضحية لانه لايمكن التحرز عن مثل هٰذا الخطأ فيحكم بالجواز صيانة لجميع المسلمين زيلعى اھ (ج ٥ - ص ٣١٢)

وفى ردالمحتار: (ج ٢ - ص ١٥) تحت قول الدرالمختار لا لو شهدوا برؤية غيرهم (اى غير الشاهدين عند القاضى) لانه حكاية. نعم لو استفاض الخبر فى البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب اھ مانصه قوله لانه حكاية فانهم لم يشهدوا بالرؤية ولاعلى شهادة غيرهم انما حكوا رؤية غيرهم كذا فى الفتح.

قلتُ وقضى لو شهدوا برؤية غيرهم وان قاضى تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانه حكاية بفعل القاضى أيضًا وليس بحجة بخلاف قضائه الخ

وفيه قوله نعم الخ قلت: وجه الاستدراك ان هٰذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولاعلى شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان البلدة لاتخلوا عن حاكم شرعى عادة فلا بد ان يكون صومهم مبنيًا على حكم حاكمهم الشرعى فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهى اقوىٰ من الشهادة بان اهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا لانها لاتفيد اليقين فلذا لم تقبل الا اذا كانت على الحكم او على شهادة غيرهم اھ

وفيه ايضًا: واذا ثبت دخول رمضان ضمنًا وجب صومه كما سنذكره فيما لو تمّ عدد رمضان ولم ير هلال الفطر للعلة يحل الفطر وان ثبت رمضان بشهادة واحد لثبوت الفطر تبعًا وان كان لايثبت

قصداً الا بالعدد والعدالۃ اھ (ج ۲ - ص ۱۵۰)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

ع۱ اگر خبر مستفیض سے معلوم ہو جائے کہ مکہ میں حج ہندوستان کی نویں تاریخ سے ایک دن پہلے ہوا ہے اور خبر مستفیض ایام تشریق کے بعد پہنچی تو ہندوستان میں جن لوگوں نے یہاں کے حساب سے بارہ تاریخ تک قربانیاں کی ہیں ان کی قربانیاں درست ہوگئیں بحکم جزئیہ اولیٰ۔

ع۲ جب خبر مستفیض سے حج کا ہندوستان کی نویں ذی الحجہ سے ایک دن پہلے ہونا ثابت ہو جائے تو ہندوستان میں بھی تاریخ کو بدل دیا جاوے گا اور مکہ کے حساب سے تیس دن پورے ہو جانے کے بعد یکم محرم قرار دی جائے گی۔ گو یہاں انتیس تاریخ علت کی وجہ سے چاند نظر نہ آوے ملاحظہ ہو جزئیہ ثانیہ وثالثہ جس میں تصریح ہے کہ خبر مستفیض میں شہادت علی الحکم اور شہادت علی رؤیۃ اور شہادت علی الشہادۃ شرط نہیں

نیز یہ بھی تصریح ہے کہ ثبوتِ رمضان سے تبعاً ثبوتِ فطر بھی ہو جاتا ہے فکذا ھٰذا۔ فان بقی الشھور فی حکم الفطر والاضحی۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہندوستان میں خبر مستفیض سے یکم رمضان کا مکہ مکرمہ میں ہندوستان سے ایک دن پہلے ہونا ثابت ہو جائے تو اگر وسطِ رمضان میں خبرِ مستفیض موصول ہو جائے تو رمضان کی تاریخ بدل دی جاوے گی۔ اور بعد میں ایک روزہ قضاء کرنا ہوگا۔ اور خبرِ مستفیض کے موافق تیس ۳۰ دن پورے کر کے فطر لازم ہوگا۔ اور بعد رمضان کے خبر موصول ہو تو صرف ایک روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔ اور تاریخ شوال بھی بدل دی جاوے گی۔ ولا یأثمون بصومھم یوم الفطر علی ھٰذا الخبر۔ واللہ اعلم۔

لا یقال یلزم منہ فی بعض الصور زیادۃ عدد الصوم علی ثلثین لانا نقول انھا زیادۃ فی الظاھر وفی الحقیقۃ صومھم الاول لم یکن لرمضان بل کان من شعبان ونظیرہ ما فی رد المختار: لو صام رائی ھلال رمضان واکمل العدۃ لم یفطر الا مع الامام لقولہ علیہ السلام فطرکم یوم تفطرون رواہ الترمذی وغیرہ والناس لم یفطروا فی

مثل هذا اليوم فوجب ان لا يفطر بهذا (ج ٢ - ص ١٤٤)
فقد لزم هذا الرأى زيادة الصوم على ثلثين

قال الشامى : يفهم من كلامهم فى كتاب الحج ان اختلاف المطالع فيه معتبر فلا يلزمهم شئ لو ظهر انه اوى فى بلدة أخرى قبلهم بيوم وهل يقال كذلك فى حق الاضحية لغير الحجاج لم أره والظاهر نعم لان اختلاف المطالع انما لم يعتبر فى الصوم لتعلقه بمطلق الرؤية وهذا بخلاف الأضحية فالظاهر انه كاوقات الصلوٰة يلزم كل قوم العمل بما عندهم فتجزئ الاضحية فى اليوم الثالث وان كان على رؤيا غيرهم وهو الرابع . والله اعلم (ص ١٠٤ ج ٢)

قلت ومقتضاه ان يعتبر اختلاف المطالع فى بقية الشهور غير رمضان كلها فان العلة اى تعلق الصوم والفطر منتفية فى فى بقية الشهور وعلى هذا فلا يثبت هلال المحرّم بالخبر المستفيض من مكة - والله اعلم .

قلت : ولكن ما فهمه العلامة من كتاب الحج غير ظاهر فان الذى ذكره هناك هو عدم قبول الشهادة لو شهدوا بعد الوقوف بوقوفهم بعد وقته للحرج الشديد والوقوف صحيح حتى فى حق الشهود أيضاً ولو شهدوا بان الوقوف كان قبل وقته قبلت ان امكن التدارك والالا اه وحاصله ما قاله الشيخ انه اذا لزم من الشهادة فساد عبادة وقعت لاتقبل وان لزم منها وجوب تدارك ما امكن تداركه قبلت فليس مبنى ماذكروه فى الحج على اختلاف المطالع بل على الحرج كما صرحوا به -

قال الشيخ : وعلة عدم اعتبار اختلاف المطالع فى الصوم استلزامه الاحتياج الى الحساب وقول الموقتين وهو باطل لقوله عليه الصلاة والسلام نحن امّة امّية فهذه علة مشتركة

فی رمضان و بقیة الشھور ۔ و اما ما ذکروہ فی علة عدم اعتبارہ فی الصوم من تعلقه بمطلق الرؤیة فلا یصح لکون اطلاقھا ممنوعًا

واللہ أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۶ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ

قربانی کی کھال ذبح کی اجرت میں دیدی تو اس کی واپسی ضروری ہے یا شرکاء کو اطلاع دینا کافی ہے کہ وہ اس قدر تصدق کریں

السؤال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندرین مسئلہ کہ ہمارے یہاں بعض گاؤں میں دستور ہے کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے کے واسطے کسی ایک شخص کو مقرر کرتے ہیں اور وہی شخص سب جانوروں کو ذبح کرتا ہے اور جانوروں کی کھال دوسرے کے ہاتھ بیچ کر اس کی قیمت میں سے ہر ایک کے حساب سے ایک ایک روپیہ متعین کر کے ذبح کرنے والے کو دیتے۔ مثلاً پانچ روپیہ کے حساب سے کھال بیچی، چار روپیہ فقیروں کو خیرات کرتے ہیں اور ایک روپیہ ذبح کرنے والے کو دیتے ہیں اور یہ ایک روپیہ خیرات میں شمار جانتے ہیں۔ مگر ذبح کرنے والا خود کسی سے یہ نہیں کہتا ہے کہ ہم کو جب کھال ایک روپیہ دوگے تو ذبح کروں گا ورنہ نہیں یہاں تک کہ کسی نے اتفاق سے کچھ نہ دیا تو اصرار بھی نہیں کرتے تو آیا اس صورت میں وہ روپیہ جو ذبح کرنے والے کو دیتے ہیں وہ خیرات میں شمار ہو جائے گا یا اجرت ہو جائے گی۔ اگر اجرت ہوگی تو آیا واپس لینا پڑے گی یا اجرت دینے والوں کو صرف اطلاع دینا کافی ہے کہ وہ اس اجرت کے بقدر تصدق کریں فقط بیّنوا توجروا۔

عرض گذار:

فدوی عبدالوھاب ڈھاکوی عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر المختار: فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستھلك او بدراھم تصدق به و مفادہ صحة البیع مع الکراھة وھو قول ابی حنیفة و محمد بدائع لقیام الملك والقدرة علی التسلیم، ھدایه۔ والکراھة

للحديث الآتي ١٢ شامي

قلت : وهو ما ذكره بعد من قوله عليه الصلوٰة والسلام من باع جلد اضحيته فلا اضحية له - هدايه. وعن الثاني باطل لانه كالوقف - مجتبي. (ج ٥ - ص ٣٢١)

قلت و مفاد صحة البيع مع علة الكراهة التي ذكروها حل المشتري للمشتري وكذا حل الاجر للآجر لوجود اركان البيع باسرها مع شرائط الصحة ولا يجب عليه رده و انما الكراهة في جانب البائع وهي كراهة الفعل تصرفه بالتمول فيما جعله قربة - و اما ما ذكره في رد المحتار عن القهستاني عن الزاهدي في باب الزكوٰة ولا يسترد منه لو ظهر انه عبد او حربي - و في الهاشمي روايتان : ولا يسترد في الولد والغني - و هل يطيب له فيه خلاف واذا لم يطب له قيل يتصدق وقيل يرد على المعطي اهـ (ج ٢ - ص ١٠٩)

فلا يفيد وجوب الرد على المشتري فيما نحن فيه لقوله لا يسترد من الولد والغني والعبد والحربي و انما الخلاف في الهاشمي فقط - وهذا يفيد اختصاص علة الاسترداد به فقط دون غيره نعم اقوله في الولد والغني هل يطيب له فيه خلاف الخ يوهم عدم الطيب فيما نحن فيه ولكن عدم الطيب في الولد والغني ليس بمتفق عليه ولم يذكروا ترجيح احد الطرفين على الآخر وايضاً فان الولد والغني في باب الزكوٰة يأخذان ما لا يستحقانها والمشتري في هٰذه الصورة التي نحن فيها يأخذ اللحم والجلد عوضاً عن ثمنه وكذا الاجير عوضاً عن عمله فلا وجه في ايجاب الرد او التصدق عليهما وانما يجب التصدق على صاحب الاضحية فقط على قدر ما بذله في الآجر كما صرحوا بانه اذا باع اللحم او الجلد بدراهم تصدق بها ولم يقل احد بوجوب التصدق على المشتري وكذا الاجير.

والله اعلم

صورتِ مسئولہ میں جو روپیہ ہر حصہ والے کی طرف سے ذابح کو دیا جاتا ہے

وہ اجرت ہے خیرات نہیں ہے جو اس ذابح کے لئے تو قول طرفین پر جو مفتی بہ ہے حلال ہے البتہ قربانی کرنے والوں کے لئے یہ فعل مکروہ تھا کہ قربانی کی جلد کی قیمت سے اجرتِ ذابح ادا کی۔ ان کو لازم ہے کہ بقدر اس اجرت کے کسی فقیر پر تصدق کردیں۔ پس ذابح کو اس رقم کا ادا کرنا واجب نہیں جو اس نے ذبح کی اجرت میں لی ہے۔ البتہ گاؤں والوں کو اس مسئلہ میں مطلع کرنا ضروری ہے کہ ان کا اجرتِ ذابح کو صدقہ سمجھنا غلط ہے۔ اس لیے وہ بقدرِ اس اجرت کے دوبارہ تصدق کریں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ صفر ۱۳۴۶ھ

اماطة الستور عن حكم إطارة الطيور
کیا شکار پر قبضۂ یدی ملک کے لئے کافی ہے یا نیتِ تملک بھی شرط ہے؟

السوال: صید پر قبضۂ یدی ملک کے لئے کافی ہے یا نیتِ تملک بھی شرط ہے؟

جواب

قال السرخسی رحمہ اللہ فی شرح السیر الکبیر: ان فی کل موضع یختص المصیب بالمصاب علی وجہ لایشارکہ فیہ غیرہ فتلک الاصابۃ فی معنی الاصطیاد فکما ان الملک فی الصید یثبت بنفس الاصابۃ للواحد کان او للجماعۃ فکذلک الملک یثبت للسریۃ بمثل ھذہ الاصابۃ و فی موضع لایختص المصیب بالمصاب ولکن یشارکہ فیہ اصحابہ فتلک الاصابۃ فی معنی اصابۃ الغنیمۃ ومجرد الاخذ فی الغنیمۃ لایوجب الملک قبل القسمۃ فکذلک ما یکون معناہ اھ (ج۱- ص ٤٦)

اس سے معلوم ہوا کہ صید میں اصابتِ ید تملک کے لئے کافی ہے کما یدل علیہ قولہ یثبت بنفس الاصابۃ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۳ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ

گائے کا عقیقہ جائز ہے یا نہیں

السوال : گائے کا عقیقہ جائز ہے یا نہیں لڑکے اور لڑکی کا فرق ہوگا یا نہیں ؟

جواب

گائے کا عقیقہ جائز ہے۔ گائے کے سات حصوں میں سے ایک حصہ بکری کے برابر ہے پس لڑکی کے واسطے ایک حصہ کافی ہے اور لڑکے کے لئے دو حصے دیئے جائیں فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۷ / شعبان ۱۳۴٦ھ

کیا وقت اضحیہ گزر جانے کے بعد آئندہ سال قربانی کرنے سے سال گزشتہ کی قربانی ادا ہوگی ؟

السؤال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی قربانی میں خرابی آ گئی تو اگلے سال میں قربانی میں وہ شخص پچھلے سال کی قربانی کا حصہ لے سکتا ہے۔ تو اس کی قربانی واجب ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب

بعد وقتِ اضحیہ گزر جانے کے تصدق قیمت واجب ہوتا ہے ہر آئندہ سال قربانی میں حصہ لینے یا مستقل جانور کی قربانی کرنے سے گزشتہ سال کی قربانی ادا نہ ہوگی بلکہ اس کی ادا کی صورت صرف تصدق قیمتِ شاۃ ہے۔

صرح بہ فی الدر وغیرہ۔ قال فی الدر : وان کان شریک الستۃ نصرانیا او مرید اللحم لم یجزء عن واحد منہم اھ

قال الشامی : قد علم ان الشرط قصد القربۃ من الکل وکل ما لو کان احدہم مرید اللاضحیۃ عن عامہ واصحابہ عن الماضی تجوز الاضحیۃ عنہ و نیۃ اصحابہ باطلۃ وصاروا متطوعین وعلیہم التصدق بلحمہا وعلی الواحد ایضاً لان نصیبہ شائع کما فی الخانیۃ وظاہرہ

عدم جواز الاكل منها۔ (ج ۵ - ص ۳۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم۔
وفيه تصريح بان نية الأضحية عن العام الماضى ليس بقربة۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۸ رشوال ۱۳۴۶ھ

کیا حرم میں اضحیہ کا بھی اور عبادتوں کی طرح ثواب مضاعف ہے؟

السؤال: لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح حرم میں اور عبادات کا ثواب مضاعف ہے اسی طرح اضحیہ کا بھی۔ حالانکہ ان کے اس کلیے سے زکوٰۃ ہی مستثنیٰ ہے جس کا منتقل کرنا مکروہ ہے اور پھر قربانی بھی اراقۂ دم کے بعد انفاق مال ہی ہے اس لئے یہ بھی زکوٰۃ کے مشابہ ہے اور بقاعدۂ زکوٰۃ اس کا منتقل کرنا بھی مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ نیز منیٰ میں سوائے اراقۂ دم کے انفاقِ مالی کا حصول عادۃً ناممکن ہے اس لئے اس میں بلا ضرورت اضاعتِ مال و اتلافِ حق مساکین بھی ہے اور بظاہر غیر محتاج کے لئے قربانیٔ منیٰ یا قربانیٔ حرم کی کوئی فضیلت کی روایت نہیں ہے۔ مگر بعض لوگ خود یہاں موجود ہوتے ہیں اور قربانی نیابۃً یا وکالۃً وہاں کراتے ہیں یا میت کی طرف سے کرتے ہیں۔

الجواب

قال الشامى: فى بحث مضاعفة الصلوٰة بمكة ثم ذكر ان للعلماء خلافًا فى هٰذا الفضل هل يعم الفرض والنفل او يختص بالفرض وهو مقتضى مشهور مذهبنا اى المالكية ومذهب الحنفية۔ والتعميم مذهب الشافعية وجاءت احاديث تدل على ان تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة الا انها ليست فى الثبوت كاحاديث الصلوٰة فيها اهـ

وذكر البيرى فى شرح الاشباه فى احكام المسجد ان المشهور عند اصحابنا ان التضعيف يعم جميع مكة بل جميع حرم مكة الذى يحرم صيده كما صححه النووى اهـ (ج ۱ - ص ۳۰۵)

قلت ومدار التصحیح فیه علی النقل فالظاہر ان الآثار قد صحت فی کون المراد به حرم مکة کله واما کراھة النقل فمرتفعة بما قاله فقہاء نا کما فی الدر و کرہ نقلها ای الزکوٰۃ (وفی حکمها القربات المالیة کلها) الا الی قرابة اواحوج اواصلح اواورع اوانفع للمسلمین اومن دار الحرب الی دار الاسلام اوالی طالب علم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل اوالی الزھاد اوکانت معجلة قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصه اھ

قال الشامی: لان الفقراء المسلمین الذین فی دار الاسلام افضل من فقراء دار الحرب - بحر. قلت ینبغی استثناء اساری المسلمین اذا کان فی دفعها اعانة علی فك رقابهم من الاسر - تامل اھ (ج ۲ - ص ۱۱)

پس قربانی کا منتقل کرنا جائز ہے - اس لئے کہ وہ دارالاسلام ہے، دوسرے اس لئے کہ ان صور جزئیہ میں نقل کی اجازت کا مدار زیادتِ ثواب ہی پر ہے اور مکہ میں تضاعفِ ثواب ظاہر ہے اس لئے نقل الی مکہ مکروہ نہیں - واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون - سفر ال ۱۳۴۶ھ

قربانی کی کھال فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں

السوال: معروض جناب تطاب یہ ہے - بہشتی زیور تیسرا حصہ صـ۴۵ میں جناب نے تحریر فرمایا:

مسئلہ: قربانی کی کھال یا تو یونہی خیرات کردے اور یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کردے، وہ قیمت ایسے لوگوں کو دے جن کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے الخ

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کی کھال بیچنا بلاکراہت جائز ہے مگر اس کی قیمت کا تصرف اپنے لئے جائز نہیں جس نے قربانی کیا - خیرات کرنا چاہئے وبس.

نور الاسلام نامی ایک کتاب ہے اس میں ذیل کی عبارت کو اس کے مصنف نے درج کرکے ایک فتویٰ شائع کیا ہے جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس نے اپنی قربانی کا چمڑا بیچا تو اس کی قربانی نہ ہوئی -

قوله ويتصدق بجلدها او يعمل منها نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو او يبدله بما ينتفع به باقيًا كما مرّ لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم فان بيع اللحم او جلده به اى بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه ومفاده صحة البيع مع الكراهة ۔ وعن الثانى باطل لانه كالوقف مجتبیٰ ۔ ولا يعطى اجر الجزار منها لانه كبيع واستفيد من قوله عليه الصلوٰة والسلام من باع جلد اضحيته فلا اضحية له (هدايه) وفى جامع الرموز ايضًا انه قول الطرفين واما على قول ابى يوسف فالبيع باطل لانه كالوقف .

ملاذمن دی زمن یہ مسئلہ لیکر یہاں جھگڑا ہے حضور سے فیصلہ مطلوب ہے۔ والسلام

خاکسار رحمت اللہ

ساکن اتن کیری ڈاکخانہ کاپر پور ضلع سلہٹ

الجواب

قال فى غنية الناسك فى باب الهدايا وله ان يبيعه بالدراهم ليتصدق بها والصحيح ان اللحم بمنزلة الجلد حتى جاز بيعه بما ينتفع بعينه لا بما يستهلك ولو باعه بالدراهم ليتصدق بها جاز لانه قربة كالتصدق اھ

وفيه ايضًا قبله باسطر : ولا يشترى به ما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه نحو اللحم والطعام ولا يبيعه بالدراهم لينتفع بها او ينفقها على نفسه وعياله فان باعه بالدراهم لذلك او باعه بما يستهلك تصدق بثمنه وصح بيعه مع الكراهة عند ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله وعن ابى يوسف باطل اھ

(ص ۱۹۳)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ جلد اضحیہ ولحم اضحیہ کی بیع مکروہ یا باطل ہے جبکہ اس کی قیمت سے خود انتفاع کا قصد ہو اور اگر بیع سے تصدق قیمت کا قصد ہو تو مکروہ نہیں پس جو عبارت مشتہر مذکور نے شائع کی ہے وہ مجمل ہے اس سے احتجاج درست نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

حکم ذبیحۂ اہل کتاب | **السؤال**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریز کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ وہ نصاریٰ ہیں اور نصرانی کتابی ہے اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حرام ہے کیونکہ اگرچہ نصرانی ہیں لیکن از حدِ کفر زیادہ تجاوز کناں ہیں۔ جناب والا کیا فرماتے ہیں

احقر فدوی عبدالقادر، جماعت اول مدرسہ اسلامیہ

نواکھالی ڈاکخانہ سونا پور ۲۰ محرم ۱۳۴۷ھ

الجواب

انگریز آجکل اکثر دہریہ ہیں اس لئے ہر انگریز کا ذبیحہ حلال نہیں ہے بلکہ جس کا معتقدِ انجیل ومعتقد عیسیٰ علیہ السلام ومعتقدِ آخرت ہونا ثابت ہو جائے اور یہ کہ وہ مذہب کو محض سیاسۃً نہیں مانتا بلکہ مذہب کو ذریعۂ نجاتِ آخرت سمجھتا ہے اس کا ذبیحہ حلال ہے اور ایسے انگریز بہت کم ہیں۔ فقط

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ محرم ۱۳۴۷ھ

خنثیٰ جانور کی قربانی جائز نہیں ہے | **السؤال**: خنثیٰ کی قربانی جائز ہے یا نہیں زید کہتا ہے کہ اگر مذکر یا مؤنث کی علامت غالب ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

بندہ سید عبدالرحیم غفرلہٗ

الجواب

زید کا قول صحیح ہے کہ خنثیٰ کی قربانی جائز نہیں ہے۔ ولا با لخنثیٰ لان لحمہا لا تنضج شرح وھبانیۃ۔

قال الشامی: و بھذا التعلیل اندفع ما اوردہ ابن وھبان من انھا لا تخلو إمّا ان تکون ذکرًا او انثیٰ وعلی کل تجوز اھ (ج ۵۔ ص ۳۱۷)

اور اگر علامتِ ذکر یا انثیٰ غالب ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ خنثیٰ نہیں

ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

ثمن جلدِ اضحیہ کا بعینہ تصدق واجب ہے یا دوسری رقم بھی اس کے بدلہ میں دی جاسکتی ہے

السوال : اگر کوئی شخص چرم جانور قربانی یا چرم جانور عقیقہ کو بارادۂ تصدق بیع کردے اور ثمن کو اپنے پاس رکھے کہ کسی موقع پر تصدق کردوں گا پھر اس کو موقعۂ تصدق دستیاب ہوگیا لیکن اس وقت ثمن بعینہٖ اس کے پاس موجود نہیں بلکہ مکان پر ہے جو بوجہ سفر ہونے کے بعید ہے تو کیا یہ شخص بجائے اس ثمن کے دوسری رقم کو تصدق کرسکتا ہے یا بعینہ اسی ثمن کا تصدق واجب ہے کہ بدون اس کے بری عن وجوب التصدق نہ ہوگا۔

السائل :
الحاج نظام الدین کانپوری

الجواب

قال فی غنیۃ الناسک فی بیع لحوم الھدایا وجلودھا مانصہ: ولو باع اللحم جاز بیعہ لأن ملکہ قائم الا انہ فیما لا یجوز اکلہ یتصدق بثمنہ لانہ ثمن بیع واجب التصدق کذا فی الفتح عن البدائع وان کان مما یجوز لہ الاکل منہ فان باع شیئا او أعطی الجزار اجرہ منہ فعلیہ ان یتصدق بقیمتہ اھ ای بقیمتہ ان کان اکثر وبالثمن ان کان اکثر علی ما فی البدائع اھ (ص ۱۹۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تصدق ثمن اس صورت میں واجب ہے جبکہ بیع جائز الاکل نہ ہو اور جائز الاکل میں تصدقِ قیمت واجب ہے نہ تصدقِ ثمن۔ پس یہ واجب فی الذمہ ہوا واجب فی العین نہ ہوا لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بجائے ثمن کے دوسری رقم کو تصدق کرسکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ثمن اگر قیمت سے کم ہو تو قیمت کاملہ تصدق کی جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ

کسرِ عظام در عقیقہ اور دایہ کو ران دینے کا حکم

السؤال: بہشتی زیور میں عقیقہ کے باب میں جو نیچے حاشیہ ہے اس میں لکھا ہے کہ ہڈیاں اگر نہ توڑی جائیں تو بہتر ہے اور پھر کچھ تقسیم سری پائے اور او جھڑی کا ذکر ہے۔ یہ حاشیہ اس وقت پہلے بہشتی زیور میں موجود نہیں تھا۔ جبکہ میں نے اس کے مسائل کی تخریج کی تھی، اس لئے اس کا مأخذ مجھے نہیں ملتا۔ شامی میں اس کی افضلیت کا کچھ ذکر نہیں بلکہ توڑنے نہ توڑنے کو برابر لکھا ہے۔ اور تقسیمِ اعضاء یا عقیقہ کا بھی وہاں کچھ ذکر نہیں ہے براہ کرم اس کے حوالہ سے مطلع فرماویں۔

الجواب

یہ حاشیہ میرا لکھا ہوا نہیں ہے، غالبًا احمد حسن سنبھلی کا ہے اور اس میں جن امور کا ذکر ہے اُن کو علامہ شامی نے تنقیح فتاوٰی حامدیہ میں ذکر کیا ہے۔ صرف اس جزو کا حوالہ نہیں ملا کہ سری حجّام (بال مونڈنے والے) کو دلوائیں اھ

ونصہ وحکمھا کاحکام الاضحیۃ الا انہ یسن طبخھا وبحلو تفاؤلاً بحلاوۃ اخلاق المولود وحمل لحمھا مطبوخًا للفقراء ولا بأس بندبھم الیھا وتعطی القابلۃ رجلھا لامرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاطمۃ رضی اللہ عنھا باعطائھا ایاھا والیمنی اولی ولایکسر عظمھا وان کسر لا یکرہ اھ

وفیہ ایضًا قبلہ والمستحب ان یفصل لحمھا ولایکسر عظمھا تفاؤلاً بسلامۃ اعضاء الولد ویاکل ویطعم ویتصدق ویعطی القابلۃ فخذھا ویطبخ جمیعھا ثم یتصدق بھا اھ ملخصًا ص۲۱۲ وص۲۱۳ ج ۲

واعطاء الرجل للقابلۃ ذکرہ الحافظ فی التلخیص الکبیر فقال وروی الحاکم من حدیث علی قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افاطمۃ فقال زِنی شعر الحسین وتصدقی بوزنہ فضۃ واعطی القابلۃ رجل العقیقۃ ۔ رواہ حفص بن غیاث عن جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلاً اھ (ج ۲ ۔ ص ۳۸۸)

واحادیث الحاکم صحاح الا ما تعقب منھا وھٰذا لم یتعقبہ الحافظ بشیٔ فلیعلم واما ترک کسر العظام واعطاء الجزار من العقیقۃ شیئًا فقد ینفیہ

کلام ابن رشد وھذا نصہ وحکم العقیقۃ حکم الضحایا لانہ نسك فلا یباع جلدھا ولا لحمہا (روی ان بیع فیتصدق بثمنہ) ولا یعطی الجزار علی جزارتہ بشیء من لحمہا ویتقی فیہا من العیوب مایتقی فی الضحایا ویوکل منہا ویتصدق وتکسر عظامہا ولا یمس الصبی بشیء من دمہا لان ترك کسر عظامہا وان یلطخ الصبی بشیء من دمہا من افعال الجاھلیۃ اھ من المقدمات المطبوعۃ مع المدونۃ لمالك (ج ۲ ص ۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ

اگر چودہ آدمی دو گایوں میں بلاتعیین کے شریک ہوں تو ان کی قربانی درست ہوگی یا نہیں۔

السؤال: اگر چودہ آدمی دو گایوں میں شریک ہوکر قربانی کریں کہ ہر ایک کا حصہ کسی خاص گائے میں متعین نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ گائے سات شخصوں کی ہے اور دوسری گائے دوسرے سات شخصوں کی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ دونوں گائیں مشترک طور پر چودہ شخصوں کی طرف سے ہیں تو اس طرح قربانی درست ہوگی یا نہیں۔ امر حضرۃ الشیخ دام مجدہ وعلاہ بتحقیقہ۔

الجواب

یہ صورت قیاساً تو جائز نہیں ہے۔ ہاں استحساناً جائز ہے۔ ولو اشترك سبعۃ فی سبع شیاہ لا یجزیھم قیاساً لان کل شاۃ بینھم علی سبعۃ اسھم وفی الاستحسان یجزیھم وکذا الاثنان فی شاتین اھ (ج ۵ - ص ۳۰۸) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ر ذی الحجۃ سنہ ۱۳۴۷ھ

قربانی ترک ہونے کی صورت میں بکری کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے یا گائے کے ساتویں حصہ کی قیمت دینا؟

السؤال: مندرجہ ذیل مسئلہ میں شریعت مقدسہ کا جو حکم ہو اس کو تحریر فرمایا جاوے۔ کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے اور ایک سال میں اس سے کسی وجہ سے قربانی ترک ہوگئی تو اس صورت میں اس کو بکری کی قیمت خیرات کرنا چاہیے یا

گائے کے ساتویں حصہ کی قیمت خیرات کرے۔ السائل:
سید احمد خان

الجواب

متوسط درجہ کی بکری کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے۔ گائے کے ساتویں حصہ کی قیمت صدقہ کرنا کافی نہیں۔

قال فی الدر: و تصدق بقیمتها غنی شراها اولا لتعلقها بذمته شراها اولا فالمراد بالقیمة قیمة شاة تجزی فیها اھ

قال الشامی: فبیّن ان المراد (بقیمتها) اذا لم یشترها قیمة شاة تجزئ فی الاضحیة کما فی الخلاصة وغیرها۔

وقال القهستانی: او قیمة شاة وسط۔ کما فی الزاهدی والنظم وغیرهما اھ
(ج ۵۔ ص ۳۱٤)

قلت وقیود الفقه احترازیة فالتقیید بقیمة الشاة یقید بعدم اجزاء قیمة سبع البقرة۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸، ذی الحجة ۱۳۴۷ھ

ذبح فوق العقدہ میں موضع ذبح کے چار چیزوں میں سے تین کٹ جائیں تو ذبیحہ حلال ہے ورنہ حرام

السؤال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں
۱۔ زید نے چند گائے ذبح کیں جن میں سے بعض گایوں کو حلق کے اوپر جبڑوں کے نیچے سے بسبب نادانستگی ذبح کیا اور ان ذبیحوں کا نرخرہ نہیں کٹا۔ اس موقع پر ایک اہل علم نے آکر معائنہ کیا اور کہا کہ ذبیحہ حرام ہے بلکہ اس کا استعمال مثل خنزیر کے ہے۔ باوجود اس کے بعض لوگوں نے اس کا ذبیحہ کھایا اور بعض نے کفار کے حوالہ کر دیا۔ اب عرض یہ ہے کہ ذبیحہ مذکورہ حلال ہے یا نہیں قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟

۲۔ کتبِ فقہ کی اکثر عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اکثر رگوں کا کٹ

جانا کفایت کرتا ہے اور مؤطا امام محمد اردو کے مضمون سے بھی یوں ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں۔

عـ۳ـ اگر مذکورہ بالا ذبیحہ حلال ہے تو اسے حرام قرار دینے والے اہل علم پر کوئی الزام تو نہیں۔

عـ۴ـ اگر مذکورہ بالا ذبیحہ حرام ہے تو ذبح کرنے والے پر کیا الزام عائد ہوگا۔ اس کو کیا کرنا چاہیئے۔

المستفتی

حاجی احمد داد بھائی۔ سواتی بازار

الجواب

موضع ذبح چار چیزیں ہیں: حُلقوم، مرِّی، ودجین۔ پس اگر ذبح فوق العقدہ میں سے ان چار میں سے تین کٹ جائیں تو ذبیحہ حلال ہے ورنہ حرام۔ (شامی ج ۵ صـ۲۸۶)

عـ۲ـ ہاں صحیح ہے۔ پس چار میں سے تین قطع ہو جائیں تو ذبیحہ حلال ہے

عـ۳ـ ان پر کوئی الزام نہیں کیونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

عـ۴ـ ذبح کرنے والے پر الزام اس وقت ہے جبکہ بلا اذنِ مالک کے ذبح کیا ہو۔ اور اگر اذن سے ذبح کیا ہے تو ذابح پر ضمان نہیں۔ ہاں اس کو اس بات کا گناہ ہے کہ جس کام کو وہ جانتا نہ تھا اس پر پیش قدمی کیوں کی۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر تین رگوں سے کم کٹی ہوں تو یہ لوگ جن کی قربانی تھی ہر ایک شخص ایک متوسط بکری کی قیمت صدقہ کردے اور اگر تین رگیں کٹ گئی تھیں تو ذبیحہ حلال ہے اور قربانی درست ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ

غیر مسلم کی بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور کو اگر مسلمان ذبح کردے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟

السؤال: ایک غیر مسلم نے ہرن کو بندوق کی گولی سے شکار کیا۔ ہرن گولی کھا کر جاں بلب ہوا یعنی بقدر رمق باقی رہا بعدہ ایک مسلم نے بالتسمیہ ذبح کیا تو

وہ ہرن حلال ہے یا حرام ۔

الجواب

بندوق کے شکار میں بندوق چلانے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے ۔ بلکہ مسلمان یا اہل کتاب کا ذبح شرط ہے ۔ پس صورتِ مسئولہ میں جب مسلمان نے اس کو ذبح کیا تو حلال ہے کیونکہ بندوق کا شکار بدون ذبح حلال نہیں ہوتا اور تیر اندازی میں مسلم یا کتابی کی شرط اس بناء پر ہے کہ خود تیر کا لگ جانا ہی قائم مقام ذبح کے ہے۔

قال قاضیخان : لایحل صید البندوقة وما اشبه ذلك وان جرح لانه لایخرق الا أن یکون بشئ من ذلك قد حدده وطوله کاسھم وامکن ان یرمی به الخ شامی ج ۵ ۔ ص ۴۶۷

و فی الشامی بعد بیان شرائط حل الصید من کون الصائد اھلاً للذکوٰة وغیرہ ومجموع ھٰذه الشروط لما یحل اکله ولم یدرکه حیاً اھ ص ۴۵۷

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

۲۷ ، جمادی الاولیٰ ۴۵ھ

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

بدون اذن واطلاع کے شوہر نے بیوی کی طرف سے قربانی کی تو بیوی اور سب شرکاء کی قربانی ہوگی یا نہیں

السؤال : احقر نے امسال عید الضحیٰ میں قربانی میں شرکت کی اور تین حصہ ایک گائے میں لئے اور باقی اور لوگوں نے لیے ۔ احقر پر تو قربانی واجب نہ تھی میری شادی حال ہی میں ہوئی اور بیوی اکثر آئی اور اپنے میکہ میں گئی ۔ چنانچہ عید الضحیٰ میں وہ اپنے مکان یعنی میکہ ہی میں تھی ۔ احقر نے اپنے خسر کو ایک ماہ قبل اطلاع دی تھی کہ میری بیوی کی طرف سے آپ قربانی کر دیں کیونکہ اُسی پر واجب ہے ۔ اگر وہاں آئے گی تو آپ ہی کو قربانی کرنی ہوگی مگر کسی وجہ سے انہیں یہ خط ملا نہیں ۔ اب جبکہ قربانی کا وقت آیا تو احقر نے بدوں اطلاع بیوی خود اس کی طرف سے بھی ایک حصہ لیکر کر دیا اور ایک اپنے والد مرحوم و مغفور کی طرف سے کر دیا ۔ اب حال ہی میں دعواتِ عبدیت حصہ ششم کو پڑھ رہا تھا تو اس کے صلا۱۶ مسئلہ ۲ میں لکھا ہوا تھا دیکھا کہ اکثر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اپنے

عزیز کی طرف سے قربانی کرتے ہیں اور اس کو اطلاع نہیں ہوتی اس صورت میں قربانی ادا نہیں ہوتی اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے گی کہ جس سے ایک قربانی صحیح نہ ہو تو باقی کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔

۱ کیا احقر کی قربانی، صورتِ مذکورہ میں ادا ہوتی ہے یا نہ

۲ اگر ادا نہیں ہوئی تو پھر زندوں کی طرف سے اب بھی واجب رہی یا مُردوں کی طرف سے بھی واجب ہے۔ اور اسی طرح میرے اوپر بھی واجب رہی یا نہیں۔ کیونکہ پہلے مجھ پر واجب نہ تھی بلکہ مستحب تھی۔ مگر نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔ اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح بیوی پر بھی واجب تھی۔ کیونکہ وہ میکہ میں تھی اس لئے مجھ پر ان کی طرف سے واجب نہ تھی مگر میں نے اُن کا حصہ بھی لے لیا اور انہیں اطلاع نہیں کی جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں۔

۳ اگر سب پر واجب ہے تو کل یعنی چار اور حصہ داروں کو تاوان احقر پر ہی ہے یا ان لوگوں پر واجب رہی کیونکہ قربانی میں جو فساد لازم آیا ہے وہ صرف میری ہی وجہ سے ہے۔

۴: اس کے ادا کی صرف یہی صورت ہے کہ قیمت کل کی کل جتنی کی وہ گائے ہے احقر صدقہ کر دے یا اور کوئی صورت بھی ہے۔

۵: بیوی کی طرف سے میکہ میں جیسا کہ میں نے ھدایت کی تھی بوجہ خط نہ ملنے کے قربانی نہیں کی گئی تو کیا حکم ہے۔ المستفتی

محمد احمد کتب خانہ احیاء الدین

محلہ شاہ گنج الہ آباد

الجواب

قال فی الخانیۃ: ولیس علی الرجل ان یضحی عن اولادہ الکبار وامرأتہ إلا باذنہم وعن ابی یوسف انہ یجوز بغیر امرہم استحسانًا اھ (ج ۴، ص ۳۲۹)

وفی العالمگیریۃ: ولو ضحی بدنۃ عن نفسہ وعرسہ واولادہ لیس ھذا فی ظاہر الروایۃ۔ وقال الحسن بن زیاد فی قول أبی حنیفۃ وأبی

یوسف وان فعل بغیر امرھم او بغیر امر بعضھم لا تجوز عنہ ولا عنھم فی قولھم جمیعا لان نصیب من لم یامر صار لحما فصار الکل لحماً الی ان قال: بعد ذکر صورۃ مثلہ قال ابو القاسم تجوز عن نفسہ کذا فی قاضیخان (ج ٦، ص ۲۰۲)

صورت مسئولہ میں قیاس کا مقتضا تو وہی ہے جو دعوات عبدیت میں مذکور ہے کہ سب شرکاء کی قربانی باطل ہو جاوے اور اس صورت میں ہر شخص کے ذمہ بشرطیکہ غنی ہو ایک متوسط بکری کی قیمت خیرات کرنا واجب ہے اور جو غنی نہ ہو اس کے ذمہ تصدق واجب نہیں نہ اپنے حصے کا اور نہ میت کے حصے کا۔ لکون الاضحیۃ متعینۃ فی المذبوحۃ فاذا ضلت او بطلت فلا ضمان علیہ لعدم الوجوب فی ذمتہ۔

اور جس شخص کی غلطی سے یہ فساد لازم آیا ہے اس کے ذمہ دوسرے شرکاء کے حصہ کا ضمان وتاوان بھی واجب نہیں (لعدم ضمانھا علی المتسبب الا فی مسائل ولیس ذلک منھا ۱۲) مگر استحسان یہ ہے کہ اولاد اور بیوی کی طرف سے بدون اجازت واطلاع کے بھی قربانی درست ہے (ولعل وجہ الاستحسان ثبوت الاذن دلالۃ فی مثل ذلک) اس روایت کے موافق یہ قربانی سب کی طرف سے صحیح ہوگی (وقد ذکروا فی رسم المفتی اذا کان فی المسئلۃ قیاس واستحسان یرجح الاستحسان ویوخذ بہ) پس صورت مسئولہ میں سائل کی اور اس کی بیوی کی اور سب شرکاء کی قربانی درست ہوگی۔ کسی کے ذمہ اس کی قضاء واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۹ر محرم الحرام ۱۳۴۶ھ

کیا گابھن گائے وغیرہ کی قربانی جائز ہے

السوال: - ازراہِ مہربانی جواب مسائل عنایت فرمائیں۔ یہ کہ ایک گائے مادہ دو روز یا ایک روز کی حمل ہوتی ہے اسے جان بوجھکر قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

گابھن گائے وغیرہ کی قربانی درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ جو گابھن نہ ہو اس کی قربانی کی جائے یعنی جبکہ گابھن ہونا ظاہر ہو جائے۔ ایک دو روز کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر ایسی گابھن ہو کہ جس کے بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آگیا ہو تو اس کی قربانی کرنا مکروہ ہے۔

کما فی غنیة الناسك: ویجوز فیھا الجماء الیٰ ان قال والحامل مع الکراھة اذا کان مشرفة علی الولادة الخ صـ۲۲۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پورے دنوں کی گابھن گائے وغیرہ کی قربانی جائز ہے

السوال:۔ ایک گائے چند اشخاص نے قربانی کے واسطے خریدی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ گابھن تقریباً پورے دنوں کی ہے۔ اب اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں اور اگر اس کو بیچ کر دوسری خرید لیں تو کیا حکم ہے۔ نیز اگر اس کا بیچنا جائز ہے تو حصہ داروں میں سے کوئی شخص بقیہ حصہ داروں سے اُسے خرید لے تو کیا حکم ہے۔ فقط۔

الجواب

فی العالمگیریة: رجل اشتری شاة للاضحیة واوجبھا بلسانه ثم اشتری اخریٰ جاز له بیع الاولیٰ فی قول ابی حنیفة ومحمد وان کانت الثانیة شریٰ من الاولیٰ وذبح الثانیة فانه یتصدق بفضل ما بین القیمتین۔ (ج ۶، ص ۱۹۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اُسی گائے کو بیچ کر دوسری گائے خریدنا جائز ہے لیکن دوسری گائے اس کی قیمت سے کم میں آئے تو باقی دام مساکین کو دینا لازم ہے۔ اور گابھن کی بھی قربانی کردی جائے تو قربانی درست ہو جاوے گی۔ مگر گابھن کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ قربانی میں بھی اور ویسے بھی۔

کما فی العالمگیریة ایضاً: شاة او بقرة اشرفت علی الولادة قالوا یکرہ ذبحھا الخ (ج ۶، ص ۱۹۲)

اور جب فروخت کرنا جائز ہے تو حصہ داروں میں سے کوئی شخص بھی لے سکتا ہے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مورخہ: ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

چرم قربانی اور گوشت اجرت میں دینا | **السوال**:۔ چہ میفرمایند علمبرداران شریعت بیضائے مصطفوی ونکتہ دانان اندریں مسئلہ کہ خورانیدنِ گوشتِ قربانی ولحوم اضاحی مرمزدوران ونوکران راشرعاً چہ حکم دارد جائز یا ناجائز وبر تقدیر ثانی اگر خورانند چہ کنند دریں دیار خورانیدن گوشت قربانی مرمزدوران را بلانکیر میان خواص وعوام جاری است باآنکہ طعام وآنقدر نان خورش کہ بداں طعام خوردہ شود دراجرت مزدوران داخل است کہ اگر طعام خورانند اجرت کم دھند واگر نہ خورانند بیشتر دھند بینوا توجروا

الجواب

باید دانست کہ چیزے از جانور قربانی گوشت باشد یا جلد کسے را بطور اجرت ہیچ عمل دادن شرعاً جائز نیست۔

فی الدر المختار: ولا یعطی اجر الجزار لانہ کبیع۔ وفی الھدایۃ: ولا یعطی اجر الجزار من الاضحیۃ لقولہ علیہ السلام لعلی رضی اللہ عنہ تصدق بجلالھا وخطامھا ولا تعط الجزار منھا شیئا۔ والنھی عنہ نھی عن البیع أیضاً لانہ فی معنی البیع فی الحاشیۃ: قولہ لانہ فی معنی البیع لان کل واحد منھما معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزارہ والبیع مکروہ فکذا ما ھو بمعناہ۔ اھ

ازیں عبارت بخوبی روشن گردید کہ گوشت اضحیۃ را باجرت ہیچ عمل دادن جائز نیست ہمچون فروختنِ آن۔ وچوں طعام مزدوران وقدر کافی از نان خورش باجرت اوشان محسوب است کما مر فی السوال پس اگر گوشت قربانی مزدوران را بخورانند لامحالہ قدر کافی از نانخورش کہ باجرت داخل ومحسوب بود بگوشت قربانی ادا کردہ شد پس آن قدر گوشت کہ بمقابلہ قدر کافی نانخورش افتاد صریح باجرت مزدور دادن شد کہ منھی عنہ است پس ناجائز باشد ومن ادعی الجواز فعلیہ البیان بالبرھان واگر مزدور را لحم اضحیہ بخوراند قیمتِ آن مقدار گوشت کہ مقابلہ قدر کافی نانخورش افتاد تصدق کند۔

فی الھدایۃ: ولو باع الجلد او اللحم بالدراھم او بما لا ینتفع بہ

الا بعد استهلاکه تصدق بثمنه لان القربۃ انتقلت الی بدله انتھی۔

یا این چنین کند کہ بقدرِ قیمت آن قدر گوشت فلوس در اجرتِ مزدور زیادہ دھد تا این فلوس با جرت محسوب شود و آن گوشت از اجرت خارج گشتہ در حق او محض ہدیہ ماند فقط۔ واللہ اعلم۔

المجیب

احقر الوریٰ بندہ فیض اللہ عفی عنہ

مدرس مدرسہ معین الاسلام چاٹگام

جواب از خانقاہ

بے شک اگر کھانا اجرت میں مشروط ہے تو گوشت قربانی اُن مزدوروں کو اجرت میں محسوب کرکے دینا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کھانے میں اور کوئی سالن بھی دیدیں اور تبرعاً دیگر مسلمانوں کی طرح یہ گوشت بھی ان کو دیدیں تو مضائقہ نہیں۔ وھذا کلہ مقتضی القواعد ولم نرہ صریحًا واللہ اعلم بالصواب۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون۔ مورخہ ۲ محرم ۱۳۵۲ھ

اس جانور کی قربانی جائز نہیں جس کے دانت پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔	**السوال**:۔ جس گائے کے دانت بالکل نہ ہوں کہ خلقۃً پیدا ہی نہیں ہوئے اس کی قربانی جائز ہے یا

نہیں۔ از سائل

حکیم عبد الرحمٰن کاندھلوی از شامل

الجواب

جائز نہیں۔ قال فی الدر المختار: ولا بالھتماء التی لا أسنان لھا ویکفی بقاء الاکثر وقیل قدر ما یعتلف بہ اھ (ج ۵ ص) واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۴ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ

عہ ص ۳۲۴ ج ۶ ایچ ایم سعید کمپنی

اختلاف جہات در اضحیہ وعقیقہ | **السوال:۔** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسک الختام شرح بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے بتاکید بیان کیا ہے کہ عقیقہ میں شترو گائے کامل شرط ہے۔ اور امام رافعی نے ذکر کیا ہے کہ مثل قربانی کے سات شخص کی شرکت عقیقہ میں بھی جائز ہے۔ اور فتح الباری میں ہے:

ونص احمد علی اشتراط کاملة وذکر الرافعی بحثا انها تتادی بالسبع کما فی الاضحیة اور نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ ونص احمد علی انها تشترط بدنة أو بقرة کاملة وذکر الرافعی انه یجوز اشتراك سبعة کما فی الاضحیة اھ۔

ان عبارتوں میں فیصلہ اور محاکمہ فرمائیے اور کتب معتبرہ سے مع ادلہ و براھین۔ نیز حضرت مولانا تھانوی صاحب کے دستخط سے مزین فرماکر مطمئن کیجئے۔ ایک گائے یا اونٹ میں کچھ آدمی بنیت قربانی اور کچھ بنیت عقیقہ شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہوسکتے ہیں تو فقہ میں کون سی صورت ہے کہ جس میں تعدد نیت سے قربانی جائز نہیں۔

المستفتی: معین الدین چاٹگامی

الجواب

امام احمدؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر قربانی میں اونٹ یا گائے ذبح کی جائے تو اس کا حصہ کافی نہیں۔ بلکہ کامل جانور عقیقہ ہی کی طرف سے ہو کیونکہ اختلاف جہات جب مانع اضحیہ ہے اسی طرح مانع عقیقہ ہے اور بکرا بکری کردیا جائے تو چونکہ وہ ایک حصہ سے زیادہ کا متحمل نہیں اس سے عقیقہ بلاتردد درست ہے اور اس بات میں حنفیہ کی دو روایتیں ہیں۔

ایک یہ کہ صحت اضحیہ کیلئے شرط یہ ہے کہ سب شرکاء نے قربت کا قصد کیا ہو۔ کسی نے محض گوشت کھانے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ نیز کوئی شریک ایسا نہ ہو جو نیت قربت کا اہل نہیں ہے مثلاً کافر و مرتد اور اتحادِ جہات شرط نہیں۔ پس اگر ایک شریک نے قربانی کا حصہ لیا دوسرے نے عقیقہ کیلئے تو قربانی صحیح ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ اتحادِ جہت مستحب ہے اور شرکت باختلافِ جہت

مکروہ ہے۔ اس روایت کی بنا پر بھی اضحیہ اور عقیقہ کی شرکت کے ساتھ گائے اونٹ کی قربانی درست ہے مگر مکروہ ہے۔

قال فی رد المحتار: قد علم ان الشرط قصد القربة من الکل و شمل مالو کانت القربة واجبة علی الکل او البعض اتفقت اجها تها أو لا کاضحیة و احصار و جزاء صید و حلق و متعة و قرآن لان المقصود من الکل القربة خلافا للزفر۔ وکذا لو اراد بعضهم العقیقة عن ولد ولد له من قبل لان ذلك جهة التقرب با لشکر علی نعمة الولد ذکره محمد ولو یذکر الولیمة و ینبغی ان تجوز لانها تقام شکراً لله تعالیٰ علیٰ نعمة النکاح و وردت بها السنة فاذا قصدا بها الشکر او اقامة السنة فقد اراد القربة وروی عن أبی حنیفة أنه کره الاشتراک عند اختلاف الجهة وانه قال لو کان من نوع واحد کان أحب إلیّ وهکذا قال ابو یوسف بدائع (ج ۵، ص ۳۱۹)

قلت وظاهر کلام الشامی ترجیح الروایة الاولیٰ۔ والله اعلم

حررہ الأحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۹ ر ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

ایضاً اختلاف جہات در اضحیہ وعقیقہ | السوال :- غنیۃ الناسک ص۱۹۹ فی جواز الاشتراک فی الھدی میں ہے وبشرط ارادۃ الکل القربۃ وان اختلفت اجناسھا من دم متعۃ وحصار وجزاء صید وغیر ذلک کتطوع وعقیقۃ لمن ولد ولد لہ من قبل وولیمۃ العرس وغیر ذلک مما یقصد بہ القربۃ إلی اللہ تعالیٰ الخ

یہاں یہ شبہ ہے کہ ولیمہ عرس میں ذبح مقصود نہیں بلکہ طعام مقصود ہے بخلاف اضحیہ تطوع وعقیقہ کے وہاں اراقۃ دم مقصود ہے پس ولیمہ کو ہدی اور اضحیہ میں شامل کرنا درست نہ ہونا چاہیئے۔

الجواب

فی الشامیۃ : عن البدائع وکذا لو اراد بعضھم العقیقۃ عن الولد ولد لہ من قبل لأن ذلک جھۃ التقرب بالشکر علی نعمۃ الولد ذکرہ محمّد ولم یذکر الولیمۃ۔ وینبغی أن تجوز لانھا تقام شکرًا للہ تعالیٰ علی نعمۃ النکاح وقد وردت بھا السنۃ فاذا قصد بھا الشکر او اقامۃ السنۃ فقد اراد القربۃ اھ (ج،۵،ص۳۱۹)

اور گو ولیمہ بدون اراقہ دم کے ادا ہو جاتا ہے مگر حدیث أولم ولو بشاۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اراقہ دم ولیمہ میں بھی مسنون ہے پس جو درجہ عقیقہ کا ہے وہی ولیمہ کا ہے۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، ۹ شعبان ۱۳۵۶ھ

مسئلہ ذبح | السوال: نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم: حکیم الاُمّت مجدد ملت جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا سلمہ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

یہاں پر ایک قسم کے جانور ذبح ہونے کا مسئلہ درپیش ہے چونکہ وہ صورت صراحتًا بحر الرائق و در مختار وغیرہ فتاویٰ میں نہیں ملی، لہٰذا اہل علم کا اس میں اختلاف ہے بعض حلال کہتے ہیں اور بعض حرام۔ فریق اول کی دلیل یہ عبارت ہے۔

وعند أبي یوسف اذا کان بحال لایعیش مثلہ لایحل لانہ لم یکن موتہ بالذبح، وقال محمد ان کان مثلہ یعیش فوق مایعیش المذبوح یحل الافلا لانہ

معتبر بھذہ الحیاۃ علی ما قررناہ الخ ھدایہ کتاب الصید۔

فریق ثانی کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے بیان القرآن پارہ چھ کے تحت آیت وَالموقوذۃ و المتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ماذکیتم الآیۃ۔ میں صورت متنازعہ فیہ کو موقوذہ میں داخل فرما کر بعد از ذبح جانور مندرجہ حلال فرمایا ہے، کیا حضور نے بیان القرآن میں یوں ہی تحریر فرمایا ہے کیونکہ یہ صورت اکثر واقع ہوتی رہتی ہے اس لئے اس مسئلہ کی سخت ضرورت ہے۔ فریقین نے حضور کے فتوی کو بلا چوں وچرا تسلیم کرنے کا حتمی وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر جواب سے سرفراز فرمایا جاوے۔ فریقین میں سے کسی نے یہ عبارت بھی پیش کی ہے جو بے موقع معلوم ہوتی ہے۔ والاصل فی جنس ھٰذہ المسائل ان الموت اذا حصل بالجرح یتعین الحل وان حصل بالثقل اوشک فیہ فلا یحل حتما او احتیاطاً۔ البحرالرائق ج/۸، ص/۲۲۹

صورت مسئلہ بلاکم وکاست مندرج ہے جواب اگر بمعہ حوالہ عبارت ہو تو سبحان اللہ ورنہ جیسا مناسب ہو۔

میرے گاؤں کے قریب ایک سرکاری جگہ ہے۔ مونا ڈپو نام اس میں گھوڑے بیل خچر ہیں۔ جب کوئی گھوڑا بیل عمر کی خاص میعاد تک پہنچ جاتا ہے یا مرض کا شبہ ہوتا ہے تو انگریز افسر ایک نوکر کو خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو حکم دیتا ہے کہ بیل کو کھڑا کر کے پیشانی پر بندوق چلاو افسر مذکور کی غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ جانور مر جائے۔ چنانچہ نوکر بندوق چلاتا ہے بندوق کی گولی دماغ کو پھاڑ کر بعض دفعہ پار بھی نکل جاتی ہے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ بیل فوراً گر پڑتا ہے اور حالت مذبوحی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ انگریز گولی لگتے ہی گھوڑا دوڑا کر چلا جاتا ہے۔ بعض مسلمان لوگ فوراً چھری لے کر افسر کی غیبوبیت میں اس بیل کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیتے ہیں۔ اس جانور کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

از سائل

مولوی حافظ کامل الدین از رتو کالا ڈاکخانہ پہلوان
تحصیل بھرہ، ضلع سرگودھا پنجاب

الجواب

ازدارالافتار مجلس مستشار العلماء پنجاب لاہور، حلت وحرمت کا مدار مذبوح کی حیات وموت پر ہے۔ اگر عندالذبح جانور میں آثار تڑپنا وغیرہ موجود ہوں تو ذبح کا کھانا جائز ہے اور گولی لگنے سے جانور میں آثار حیات موجود نہ ہوں تو اس کا کھانا ناجائز ہے[1]

تائید الجواب ازخانقاہ امدادیہ مستشار علماء کا جواب صحیح ہے اور جو اہل علم قول امام ابو یوسف و محمد کی بناء پر اس جواب سے اختلاف کرتے ہیں اور حالتِ مذکورہ میں مطلقاً حرمت کے قائل ہیں ان کا قول مفتی بہ نہیں۔ ہدایہ میں جہاں قول ابی یوسف و محمد نقل کیا ہے اس سے بیشتر امام صاحب کا قول بھی موجود ہے، اور اس کے بعد وعلیہ الفتویٰ بھی موجود ہے۔ پس مفتی بہ قول کو ترک کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح مع الحاشیہ	احقر عبدالکریم عفی عنہ
اشرف علی عفی عنہ	از تھانہ بھون
مورخہ ۱۹ ر جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ	مورخہ ۱۵ ر جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ

[1] خادم شرع جلیلہ محمد خلیل عفی عنہ